تالیف

مولانا محمد اسحٰق صدیقی ندوی

ایمان و ایمانیات

یعنی

اسلام کے ضروری اور اہم عقائد کی مُدلّل توضیح

جو جدید ذہن کو پیشِ نظر رکھ کر عام فہم
انداز میں کیگئی ہے

از

محمد اسحاق صدّیقی ندوی

شائع کردہ

مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی

کراچی۔ ۵
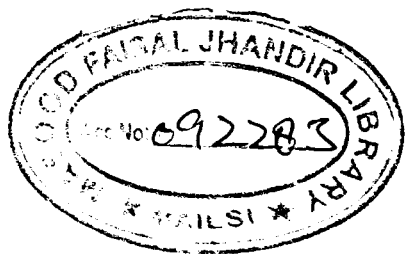
نام کتاب ——— ایمان وایمانیات

مصنف ——— مولانا محمد اسحاق صدیقی

ناشر ——— مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی کراچی

سن طباعت ——— ۱۹۷۵ء

بار اوّل ——— ایک ہزار

مطبوعہ ——— ایجوکیشنل پریس، کراچی

کتابت ——— صغیر احمد خاں

قیمت ——— چھ روپے ۶/- صرف

فہرست

پیش لفظ

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے شعبۂ تصنیف و تالیف کے اہم ترین مقاصد میں سے ایک اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ جدید مسلمان نسل کی اصلاح و تربیت کے لئے اُردو انگریزی میں دین اسلام کے مختلف دینی اخلاقی موضوعات پر کتابیں و رسائل تالیف ہوں اس سلسلہ کی پہلی کتاب حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی سندیلوی کی "دینی نفسیات" پیش کی جا چکی ہے۔ اب "ایمان و ایمانیات" کے نام سے دوسری اہم کتاب پیش کی جا رہی ہے اس مختصر کتابچہ سے عقائد اسلامیہ کی بنیادیں واضح ہوں گی۔

توحید، نبوت و رسالت آخرت، تقدیر وغیرہ مضامین پر عمدہ مؤثر دلنشین انداز سے موصوف ہی کی تالیف پیش کی جا رہی ہے صحیح عقیدہ صحیح مسلک اہلسنت والجماعۃ کی صحیح ترجمانی کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ یہ کوشش بہت کامیاب و مفید ثابت ہوگی۔ آج کل جدید نسل دینی تعلیمات سے بے بہرہ رہتی ہے غیر دینی ماحول میں ان کی تربیت ہوتی ہے اہل زیغ و اہل ضلالت کا لٹریچر پڑھتے رہتے ہیں بلکہ آب و تاب سے ان کے سامنے بھی مواد آتا رہتا ہے ان مختلف وجوہ کی وجہ

ہے دینیات و اسلامیات کا صحیح مفہوم ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اس لئے شدید ضرورت ہے کہ ان فتنوں سے ان کو بچایا جائے افسوس کہ ہماری جدید تعلیم کا نظام ابھی تک صحیح اسلامی تعلیمات پر نہیں ہے اور مزید افسوس اس کا کہ اس کو کوئی اہمیت بھی نہیں دی جارہی ہے بلکہ بسا اوقات اہل الحاد و اہل ضلال کے آرار و افکار ان پر ٹھونسے جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اس کے جو اثرات مرتب ہوں گے وہ غیر اسلامی ہی ہوں گے اس وقت سب سے بڑی ضرورت دو باتوں کی ہے کہ :-

(۱) عمدہ سے عمدہ صحیح مسلک کے رسائل و کتابچے جو پختہ اہل علم و ارباب دین و تقویٰ کے قلم سے نکلے ہوں وہ داخل نصاب ہوں۔

(۲) پڑھانے والے اساتذہ صحیح العقیدہ زیغ وضلال سے محفوظ ہوں اگر اس انداز سے نصاب تعلیم و نظام تعلیم کی اصلاح ہو جائے تو ہمارے نوجوان صحیح مسلمان ہو سکتے ہیں اور معاشرے کے لئے قابل فخر ہو سکتے ہیں اور معاشرے میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اس کا صحیح علاج صحیح تعلیم و تربیت ہی ہے حسن اتفاق سے نوجوانوں میں اس وقت ایک جماعت اسلامی تعلیمات اپنانے کے لئے وجود میں آگئی ہے اس لئے فضا سازگار ہے اگر اس وقت ان نوجوانوں کو اس قسم کا لٹریچر مل جائے تو سونے پر سہاگہ کا کام دے گا۔ انشاء اللہ تعالے بلاشبہ "دین" کا سیکھنا ہر مسلمان کے لئے فرض عین ہے رہنمایان قوم کو اس طرف توجہ دینے کی بڑی ضرورت ہے بہر حال آرزو یہی ہے کہ اس نئی نسل کے لئے الف سے یاء تک تمام دینیات عبادات اخلاق

وغیرہ پر تصنیف و تالیف کے ذریعہ نئے نئے کتابچے شائع کئے جائیں اور اس طرح جو پیاس پیدا ہوگئی اُس کو بجھانے کی تدبیر ہوسکے حق تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ وھو حسبنا ونعم الوکیل

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہٗ

۳۰ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ

مقصدِ تالیف

الحمد للہ العلیم الحکیم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ
الکریم محمد الذی لا نبی بعدہٗ وھو بالمؤمنین
رؤف رحیم وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ
الذین ھم ھداۃ سبیل الدین القویم اما بعد

اس رسالہ کا مقصود مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ کو اسلام کے بنیادی عقائد واصول سے روشناس کرنا ہے کیونکہ اسلام کے شعبوں میں شعبۂ عقائد ہی سب سے زیادہ اہم ہے۔ عقائد کا بیان دلیل وبرہان کی روشنی میں کیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والا بصیرت کے ساتھ ان کا قائل ہو اور دشمنان اسلام کی وسوسہ اندازیوں سے محفوظ رہنے کے لئے عقلی استدلال سپر کا کام دے۔ یوں تو مضامین کی افادیت عام ہے مگر ان لوگوں کو مخصوص طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے جو ہائی اسکول کے معیار کی قابلیت رکھتے ہوں۔ یہ بات بھی ملحوظ ہے کہ یہ رسالہ ہائی اسکول کے نصاب دینیات میں داخل کیا جا سکے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ بطفیل ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے فضل وکرم سے اس رسالہ کو قبول فرما کر مصنف کے لئے باعث قرب و

نجات اور پڑھنے والوں کے لئے ذریعہ ہدایت ومنفعت بنادیں۔
وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

احقر
محمد اسحاق صدیقی عفا اللہ عنہ
مدرسہ عربیہ اسلامیہ
نیوٹاؤن کراچی ۵

۴ر شعبان ۱۳۹۳ھ

ایمان واسلام

مسلمان اس شخص کو کہتے ہیں جو اسلام کو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا سچا مذہب اور صرف اسی کی پیروی کو سعادت آخرت کا ذریعہ سمجھے۔ اسلام کے لغوی معنی "گردن نہادن" ہیں جس کا اُردو بامحاورہ ترجمہ سر جھکا دینا ہے، مُسلم کو مُسلم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اُن کی مرضی کے سامنے اپنا سر جھکا دیتا ہے اور اُنھیں تسلیم کرکے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ پھر جس طرح ہر عمارت کے لئے بنیادیں ہونا لازم ہیں جن پر پوری عمارت قائم ہوتی ہے۔ اگر بنیادیں نہ باقی رہیں۔ تو عمارت بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح اسلام کی بنیاد "ایمان" ہے۔ ایمان کے معنی پختہ یقین کے ہیں جس میں شک وشبہ کی ادنیٰ گنجائش بھی نہ ہو اسلام نے چند ایسی باتوں کی تعلیم دی ہے جن پر پختہ یقین رکھنا لازم ہے۔ جو شخص ان کا انکار یا ان میں شک کرے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ اعمال مثلاً نماز روزہ مثل مسلمانوں ہی کے کیوں نہ کرتا ہو۔ ایسی حقیقت کو جس کا یقین رکھنا لازم ہو عقیدہ کہتے ہیں جس کی جمع عقائد[1] ہے

[1] عقیدہ درحقیقت اس یقین کو کہتے ہیں۔ لیکن مجازاً اس بات کو بھی کہہ دیتے ہیں جس کا یقین ہوتا ہے ۱۲ منہ

وہ بنیادی عقیدہ جس پر اسلام کا دار و مدار ہے اجمالی طور پر :-

کلمہ طیبہ :- لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (اور) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

میں بیان فرمایا گیا ہے، بندہ مومن اسی حقیقت کا اقرار شہادت قلب کے اظہار کے ساتھ اس طرح کرتا ہے :-

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ یکتا و یگانہ ہیں اُن کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے بندے اور اُن کے رسول ہیں۔

یہ کلمۂ شہادت کہلاتا ہے۔ اس میں بہ نسبت کلمہ طیبہ قدرے تفصیل ہے اور درحقیقت اسلام کے سب بنیادی عقیدے اس میں آجاتے ہیں لیکن مؤمن کو مزید تفصیل کے ساتھ ان سب حقیقتوں کا اقرار و یقین کرنا چاہئیے جن پر ایمان و یقین رکھنا نجات آخرت اور مسلمان ہونے کے لئے لازم اور ضروری ہے اس "ایمان مفصل" کے کلمات درج ذیل ہیں مسلمان کو کہنا چاہیے کہ :-

"اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اُن کے فرشتوں پر اور اُن کی کتابوں پر اور اُن

وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔

کے رسولوں پر اور آخرت کے دن (یعنی قیامت) پر اور اس بات پر کہ اچھی بُری تقدیر سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور (ایمان لایا میں) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔

ان سب باتوں پر ایمان لانا یعنی اُن کا پختہ یقین رکھنا مُسلمان ہونے کے لئے لازم ہے۔ ان میں سے کسی بات کا انکار یا اس میں ادنیٰ شک کرنا بھی کفر ہے یعنی ایسا کرنے والا اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔ یہ اسلام کے بنیادی عقائد ہیں ان پر پُختہ یقین رکھنا چاہیے اس یقین و ایمان کے بغیر اسلام کے کوئی معنی ہی نہیں آئندہ صفحات میں ان عقائد کی تشریح کی جائے گی۔

ایمان باللہ
یعنی
اللہ تعالیٰ پر ایمان

نیلا آسمان، خاکی زمین، روشن آفتاب، حسین ماہتاب، چمکتے ہوئے تاروں کی بہار، انقلابات لیل ونہار، سمندر میں پہاڑوں کی طرح اُٹھتی ہوئی موجوں کا سماں، اور ان پر رواں دواں جہاز اور کشتیاں، نسیم سحر کی نازک خرامی، بادِسموم کی شعلہ فشانی، حسین کہکشاں تڑپتی ہوئی بجلیاں، انسان اور اُس کی ترقیاں، مختصر یہ کہ سارا جہاں اپنے پیدا کرنے والے کی بےمثال عظمت، بے نظیر قدرت و حکمت

اور اُس کے جلال و جبروت کی شہادت دے رہا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی معرفت کا ذریعہ اور اُن کے خالق و مالک ہونے کا گواہ ہے۔ جس قدر اس میں غور کروگے اسی قدر ان گواہیوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ دور کیوں جاؤ ایک معمولی سی بات پر غور کرلو جو روزمرہ مشاہدے میں آتی ہے۔ سوچو کہ یہ کھانا جو ہم کھاتے ہیں کس طرح ہمارے معدے میں پہنچتا ہے؟ کاشتکار غلہ کا بیج زمین میں ڈال دیتا ہے یہ سڑ بھی سکتا ہے، اسے کیڑے مکوڑے بھی کھا سکتے ہیں یہ خشک ہوکر بھی بیکار ہوسکتا ہے وہ کون ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ اس میں اکھوا نکل آتا ہے۔ پھر وہ کون ہے جو اسے سرسبز پودے کی شکل عطا کرتا ہے؟ یہ بے جان و بے شعور اور بے دست وپا دانہ گندم زمین سے باہر سر نکالنے کے لئے غذا کا محتاج ہوتا ہے۔ کیا اس میں قدرت و طاقت ہے کہ یہ زمین سے اپنی غذا کھینچ لے؟ پھر وہ کون ہے جو اسے غذا پہنچا کر ایک حقیر دانہ سے خوشنما اور شاندار پودا بنا دیتا ہے اور ایک دانے سے سیکڑوں دانے پیدا کر دیتا ہے؟ یہ نازک پودا اپنی زندگی اور اپنے نشو ونما کے لئے معین اوقات پر پانی کا محتاج ہوتا ہے۔ فرش خاکی پر کھڑی ہوئی اس مخلوق کی پیاس بجھانے کا انتظام آسمان سے ہوتا ہے۔ کالی کالی گھٹائیں اُٹھتی ہیں اور اسے سیراب کرکے بلکہ نئی زندگی دے کر چلی جاتی ہیں۔ اگر یہ وقت مناسب سے پہلے آجائیں تو آبحیات کے بجائے زہر آب برسائیں۔ بچھڑ جائیں تو پودوں کی موت پر آنسو بہائیں۔ ذرا سوچو! کہ انہیں وقت پر کون لاتا ہے؟ پھر جب کھیتی کا کامل نشو ونما ہوچکتا ہے تو وہ ہوائیں کون چلاتا ہے جو اسے خشک

کرکے کاٹنے اور اس کے دانوں کو کھانے کے قابل بنا دیتی ہیں، نباتیات (BOTANY) کا مطالعہ کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ایک دانۂ گندم کو پودا بن کر بار آور ہونے تک کتنے طبعی و کیمیاوی مراحل و مدارج سے گذرنا پڑتا ہے، اور اس کے نرم و نازک باریک و لطیف ریشوں اور اجزار کو کتنے کیمیاوی و طبعی اعمال انجام دینے پڑتے ہیں کیا عقل و فہم سے محروم یہ چھوٹا سا دانہ اور نازک پودا خود بخود یہ سب کام کرلیتا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو ایسے عمدہ نظم اور ایسی اچھی ترتیب کے ساتھ اس کی سب حاجتیں پوری کرکے اسے ایک دانے سے پودا بنا دیتا ہے۔ جس میں سیکڑوں دانے ہوتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی مثال اور اللہ تعالیٰ کی بے حساب نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ یہ صرف آپ کو متوجہ کرنے اور غور و فکر کی دعوت دینے کے لئے پیش کی گئی ہے ورنہ اللہ جل شانہٗ کی قُدرت و حکمت اس قدر روشن ہے کہ اس میں غور و فکر کی احتیاج ہی نہیں صرف توجہ کافی ہے۔ آفتاب کا نکلنا اور ڈوبنا، ماہتاب کا بڑھنا گھٹنا، دن رات کا آنا جانا، ہواؤں کا مناسب اوقات میں چلنا اور ساکن ہونا، سمندروں کا مد و جزر موسم کی تبدیلی ان سب حوادث و واقعات میں تم ایک خاص نظم و ترتیب پاؤگے اور صرف نظام ہی نہیں بلکہ ہزاروں مصلحتوں کی رعائتیں بھی مجموعی طور پر نظر آئیں گی اور اربوں مخلوق کی حاجتیں اور ضرورتیں اس نظام کے تحت پوری ہوتی دکھائی دیں گی۔ اس کارگاہ عالم کا یہ الٰہی نظام، حوادث کی یہ عمدہ ترتیب، لاکھوں کروڑوں مصلحتوں اور حکمتوں کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے اپنے بنانے والے اور قائم رکھنے والے کی قدرت مطلقہ، حکمت و دانائی اور تصور سے

ما ذرا، عظمت وجلال کی آفتاب سے زیادہ روشن اور واضح دلیل و برہان ہے جو اسے بالکل بدیہی بنا دیتی ہے۔ میں ایک مثال دیتا ہوں فرض کرو تم ایک خوب صورت اور پائیدار عمارت دیکھتے ہو جس میں مکینوں کی ہر ضرورت کا لحاظ رکھا گیا ہے یعنی حسب حاجت کمرے دالان وغیرہ بنے ہوئے ہیں اس کے ساتھ عمارت ضروری فرنیچر سے بھی آراستہ ہے۔ کوئی شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ یہ عمارت خود بخود تیار ہو گئی اس کی تیاری میں نہ کسی انجینئر کی دانش صرف ہوئی نہ کسی معمار کی محنت تو کیا تم اس کی بات کو صحیح سمجھو گے؟ کیا ایسے شخص کو ہر سمجھدار آدمی احمق نہ کہے گا؟ پھر بتاؤ کہ اتنا بڑا عالم اور اس کا اتنا عمدہ نظام بغیر کسی حکیم وعلیم قادر مطلق کے پیدا کرنے کے کیسے پیدا ہو گیا؟ نظام عالم کا پیدا کرنے والا اور اس کے نظام کو چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے جس کی قدرت و حکمت بے پایاں ہے۔ خود اپنے اندر غور کرو۔ جب تم پیدا ہوئے تھے تو تم میں نہ عقل و فہم تھی نہ گویائی نہ کسی کام کرنے کی طاقت۔ سوا شیر مادر تم کوئی غذا ہضم نہ کر سکتے تھے۔ پھر کس نے تمہیں اس کمزوری سے اس طاقت تک پہنچایا؟ کس نے تمہاری غذا کے لئے دودھ پیدا کیا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جس نے تمہارے جسم تمہارے حواس اور تمہاری قوت کو ترقی عطا فرمائی؟ تم بول نہ سکتے تھے حق تعالیٰ نے قوت گویائی عطا فرمائی، تم کچھ نہ سمجھ سکتے تھے علیم و حکیم مالک نے تمہیں عقل و فہم عطا کی۔ تم جاہل تھے تمہیں علم دیا تم کھا نہ سکتے تھے تمہیں غذاؤں کے ہضم کرنے اور چبانے کے لئے دانت دیئے۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچو تو انہیں شمار کرنے سے اپنی عقل و فہم کو عاجز پاؤ گے۔

جب ہم ان روشن حالات اور واقعات کی طرف توجہ کرتے ہیں تو ہمارا دل بول اُٹھتا ہے کہ بلا شبہ ہماری جان اور سارے جہان کا پیدا کرنے والا، اور نظام عالم کو چلانے والا اور ساری کائنات کی حاجتیں پوری کرنے والا قادر مطلق علیم وحکیم سمیع و بصیر ہے جو ہر اچھائی اور کمال سے متصف اور ہر عیب ونقص سے پاک وبرتر اور بے مثل و بے نظیر ہے یعنی اس جیسا کوئی نہیں ہوسکتا وہ یگانہ اور یکتا ہے جس کا کوئی مثل ونظیر ہو وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے؟ اس میں تو دوئی کا عیب ہوگا۔ حقیقی کمال تو وہی ہے جو غیر محدود و بے مثال ہو۔ نظام عالم سے پوچھو تو صاف صاف کہے گا کہ میرا چلانے والا ایک اور صرف ایک ہے اگر بالفرض دو یا زیادہ ہوتے تو پورا نظام درہم برہم ہوجاتا۔ تم جانتے ہو کہ ایک ملک پر یکساں اختیار رکھنے والی دو حکومتیں حکومت نہیں کرسکتیں اور دو بادشاہ یا ڈکٹیٹر ایک ہی خطۂ ارض پر حکمرانی نہیں کرسکتے تو دو خدا خدائی کس طرح کرسکتے ہیں؟ اور کائنات کا ایسا عمدہ نظام دو ہستیاں کس طرح چلا سکتی ہیں؟ اس کا چلانے والا اور اس کا قائم کرنے والا ایک ہی ہوسکتا ہے۔ کوئی اگر فرضی طور پر یہ کہے، کہ شاید دونوں نے صلح کرلی ہو تو ایسا فرض کرنے پر ہر سمجھ دار آدمی ہنسے گا موٹی سی بات ہے کہ مصالحت میں دوسرے کی رعایت پر مجبور رہونے والا خدا کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لئے یہ مفروضہ صورت بالکل غیر ممکن اور لغو بلکہ ناقابل تصور اور بے عقلی پر مبنی ہے حق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔ اللہ تعالیٰ واحد اور ایک ہیں ان کا ایسا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے پوری کائنات کو نیست سے ہست کیا۔ یعنی پہلے

اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہ تھا، نہ آسمان نہ زمین، نہ آفتاب نہ ماہتاب، نہ بزم انجم تھی نہ محفل کہکشاں، نہ حیوان تھا نہ انسان۔ نہ ہم تھے نہ تم غرض کچھ نہ تھا صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات تھی، اُنھوں نے اپنی عظیم قدرت سے سب کو پیدا کیا وہی سب کو باقی رکھتے ہیں اور وہی سب کی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ ہمارے پیٹ کو روٹی اور تن کو کپڑا عطار کرنے والے اللہ تعالےٰ ہی ہیں۔ وہی ہمیں صحت وتندرستی اور قوت وطاقت عطار فرماتے ہیں غرض جتنی نعمتیں ہمیں ملتی ہیں سب اللہ تعالیٰ ہی عطار فرماتے ہیں اور ہماری سب احتیاجیں وہی پوری فرماتے ہیں۔

انسانی فطرت اور عقل سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے محسن خالق اور قادر مطلق مالک کی عبادت کرے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا دَم بھرے۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اُن کی نعمتوں کو ہم شمار نہیں کرسکتے اس لئے اگر ہر سانس ان کی عبادت اور اُن کی یاد میں بسر کریں تو بھی اُن کے حق کی ادائیگی نہیں ہوسکتی۔ پورا حق تو کجا اس کا کروڑواں حصہ بھی ادا نہیں ہوسکتا لیکن بندے کا کام بن گیا ہے اگر ہم نے سر عبودیت جھکا دیا تو حق نہ ادا کرنے کے باوجود کفرانِ نعمت اور احسان فراموشی کے داغ سے ضرور محفوظ رہیں گے۔ لیکن یہ صرف اس صورت میں ہے جبکہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور معبود ہونے کی صفت کو صرف ان کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے۔ عبادت میں کسی کو حق تعالیٰ کا شریک سمجھنا یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو بھی عبادت کے لائق سمجھنا اول درجہ کی احسان فراموشی اور انتہائی پست فطرتی ہے اسی

چیز کا نام شرک ہے جو بدترین جُرم ہے۔ آفتاب سے بھی زیادہ روشن حقیقت ہے کہ عبادت کا مستحق وہی وجودِ عالی ہے جو قادرِ مطلق، خالق کون و مکان، سمیع و بصیر، علیم و خبیر اور رب العالمین یعنی سارے جہان کی پرورش کرنے اور سب کی حاجتیں پوری کرنے والا ہے۔ ان صفاتِ عالیہ اور جملہ صفاتِ کمالیہ سے متصف صرف اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہیں اس لئے صرف وہی مستحق عبادت ہیں، ان کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں۔ یہی روشن حقیقت جو فطرت انسانی کے صفحۂ قلب پر نور کی روشنائی سے تحریر ہے دینِ فطرت کی بنیادی حقیقت ہے اور شجرۂ اسلام کی جڑ اور کلمہ طیبہ :-

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ	نہیں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
	اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

کا پہلا حصہ ہے۔ یہ ہے وہ توحید جو اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے جو شخص اس کا انکار کرے یا اس میں شک کرے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اگر مُسلم ایسا کرے تو اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس کا ایسا پختہ یقین رکھنا جس میں شک و شبہ کا شائبہ بھی نہ ہو مسلمان ہونے کے لئے لازم ہے اس یقین کا نام ایمان ہے۔

عبادت کا مفہوم :-

عبادت و بندگی کا مفہوم بھی سمجھ لینا چاہیے تاکہ ہم کلمہ طیبہ کا مفہوم کما حقہ سمجھ سکیں۔ عبادت خالق اور مخلوق کے درمیان تعلق اور ربط کے اظہار کا نام ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے اس حقیقت کو سامنے رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ

مخلوق کا تعلق دو گونہ ہے اضطراری اور اختیاری۔ ہمارا عدم سے وجود میں آنا، ہمارا نشو ونما، ، ذہنی، فکری، طبعی، ونفسی قوتوں کا پیدا ہونا اور ترقی کرنا، بھوک، پیاس، صحت ومرض، زندگی اور موت اور اس قسم کے اور بہت سے امور ہمارے اختیار سے باہر اور بداہی طور پر حکم الٰہی کے تابع ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح آفتاب کی تابانی، ستاروں کا طلوع وغروب، موسموں کی تبدیلی، سمندر کا مد وجزر ہواؤں کی روانی وغیرہ حوادث ہمارے اختیار سے بالکل باہر اور محض رب العالمین کے حکم پر موقوف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قسم کے احکام کو جنکی تعمیل پر کائنات کی ہر چیز مجبور ہو تکوینی احکام کہتے ہیں ان امور میں ساری مخلوق حق تعالیٰ کے احکام تکوینی کی تعمیل پر مجبور اور زبان قال سے نہیں بلکہ بزبان حال اس واقعہ کا اقرار کر رہی ہے کہ وہ سراپا احتیاج ہے اور صرف رب العالمین ہی احتیاج سے پاک وبرتر ہیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہو جاتی ہے کہ ہر مخلوق خواہ وہ انسان ہو یا کوئی اور حق تعالیٰ کے سامنے بالکل ذلیل، پست اور عاجز ہے، عظمت وکبریائی، قدرت وقوت صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہے، اس اضطراری اقرار بندگی کے اعتبار سے مومن وکافر مسلم وغیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں جس طرح ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی تعمیل کرتا ہے اسی طرح ایک کافر بھی تابع فرمان الٰہی ہوتا ہے کیونکہ ان احکام کی تعمیل پر ہر مخلوق مجبور ہے ان کی نافرمانی کی کسی میں قدرت وطاقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ تعلق ان کے ہر بندے کو حاصل ہوتا ہے خواہ وہ مومن ہو یا کافر، موحد ہو یا مشرک اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کرتا ہو یا

انکار ہر ایک کو ہے۔ یہ اضطراری اور غیر اختیاری تعلق و ربط حق تعالیٰ جل شانہٗ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا حقیقت کے شعوری و ارادی اظہار سے بندے کو اپنے رب کے ساتھ دوسری قسم کا ربط و تعلق حاصل ہوتا ہے جو اختیاری ہوتا ہے اور جس کا نام عبدیت اور معبودیت کا ربط و تعلق ہے اور اسی اظہار و اقرار کو عبادت کہتے ہیں۔ جو اعتقاد قول و عمل تینوں صورتوں میں ہوتا ہے۔ اس تفصیل کی روشنی میں ہم عبادت کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کر سکتے ہیں۔ عبد یعنی بندے کا معبود کے سامنے اپنے اعتقاد اور قول و عمل سے یہ ظاہر کرنا کہ میں آپ کے سامنے انتہائی پست و ذلیل و عاجز اور ہر طرح آپ کا محتاج ہوں۔ اور آپ کی عظمت و کبریائی کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے عبادت کہلاتا ہے۔ زیادہ مختصر الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اپنے انتہائی نقص اور معبود کے انتہائی کمال کا قولی و عملی اظہار عبادت ہے۔

لا الٰہ الا اللہ کا مطلب :-

عبادت کا مفہوم ذہن نشین کرنے کے بعد لا إلٰہ الا اللہ کا مطلب سمجھ لینا آسان ہو جاتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں جو لا انتہا، عظمت و کمال سے متصف ہو اور بندے کو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے سوا کسی کے سامنے اپنی انتہائی پستی و ذلت اور کمال احتیاج کا اظہار نہ کرنا چاہیے۔ صرف اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اس کے مستحق ہیں کہ ان کے سامنے اس کا اظہار و اقرار کیا جائے۔ اس یقین و اقرار سے بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق حاصل ہو جاتا ہے جو شعوری اور ارادی ہوتا ہے یعنی بندہ یہ

تعلق اپنے ارادے اور اختیار سے پیدا کرتا ہے۔ اسی کا نام عبدیت و معبودیت کا تعلق ہے۔ یہ عبدیت و بندگی ایک خاص قسم کی عبدیت اور بندگی ہے۔ اور ایسے بندے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک ملک کی طرف نظر کیجئے جس پر ایک بادشاہ حکمراں ہے ملک کے سب باشندے اس کی رعیت ہیں ان میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو بادشاہ کے مخالف ہیں یا عادتاً خلاف قانون افعال کے مرتکب ہوتے ہیں مثلاً ڈاکو لٹیرے وغیرہ لیکن باوجود اس مخالفت کے وہ بھی اس کی رعیت میں داخل ہیں۔ دوسری طرف ملازمین فوج، پولیس، وغیرہ بھی اس کی رعیت ہیں لیکن دونوں قسم کے لوگوں میں فرق ظاہر ہے ثانی الذکر خاص اور اہم رعیت ہے جو بارگاہ سلطانی میں مقرب ہے بخلاف اس کے اول الذکر کا شمار عام رعیت میں ہوتا ہے اور بادشاہ کی نظر میں ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی۔ اگرچہ ملک کی سرزمین پر رہنے چلنے پھرنے کھانے کمانے وغیرہ کی عام سہولتیں انہیں بھی حاصل ہوتی ہیں لیکن انعامات اور بادشاہ کی خوشنودی سے بہرہ ور صرف ثانی الذکر قسم کی رعیت ہوتی ہے۔ اسی طرح مومن و کافر دونوں اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں لیکن آخرت کی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی رضا و خوشنودی اور اُن کی بارگاہ عالی میں قُرب و منزلت صرف مؤمن کے لئے ہے۔ ہاں دُنیا کی نعمتیں کافر کو بھی ملتی ہیں، ان میں مؤمن کی خصوصیت نہیں یہ اس لئے کہ مومن عبدیت و بندگی اختیار کرتا ہے بخلاف اس کے کافر اضطراری عبد ہے اپنے ارادے اور اختیار سے عبد نہیں۔ اب تم سمجھ گئے ہوگے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت انسانی فطرت کا

تقاضا ہے اسی طرح توحید بھی فطری چیز ہے ہم فطرتاً اللہ تعالیٰ کے عبد اور بندے ہیں عبادت کرنا اسی حقیقت کو ظاہر کرنا ہے۔

توحید :

تم معلوم کر چکے ہو کہ لا انتہا عظمت و جلال اور ہر صفت کمال سے متصف صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے ان کا کوئی مثل و نظیر نہیں اس لئے صرف وہی عبادت کے مستحق ہیں اسی حقیقت کے اعتراف کا نام توحید ہے اس کا انکار ایسا ہی ہے جیسے روزِ روشن میں کوئی شخص آفتاب کے وجود کا انکار کر دے۔ لیکن اس دُنیا کے عجائب میں ایک عجوبہ یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جو اس روشن حقیقت کی طرف سے مُنہ پھیر کر شرک میں مبتلا ہیں۔ مزید تعجب خیز واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ بھی توحید کے مدعی ہیں اسلام کے عقیدۂ توحید کی قدرے تفصیل سنو تو تم ان لوگوں کی اس مہلک روحانی بیماری کو اچھی طرح سمجھ سکو گے اور انشاء اللہ خود اس سے محفوظ رہو گے۔

توحید عربی لفظ ہے جس کا مادہ وحدت ہے۔ اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا یعنی یگانہ و یکتا سمجھنا دوسرے الفاظ میں یہ یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ جل شانۂ کی ذات یا ان کی کسی صفت میں اُن کا ایسا کوئی نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے تم پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر صفت کمال اور خوبی و اچھائی سے متصف اور ہر نقص و عیب سے پاک ہیں۔ جو صفات کمال ان میں موجود ہیں ان میں سے کوئی صفت بھی کسی دوسرے میں نہیں پائی جا سکتی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ جل شانۂ قادرِ مطلق ہیں یعنی ہر چیز پر اُنہیں قدرت ہے کوئی چیز بھی ان کی قدرت سے باہر نہیں

ہر شئے کا وجود و عدم انہیں کے قبضۂ قدرت میں ہے اور انہیں کسی چیز میں کسی تصرف سے کوئی نہیں روک سکتا۔ توحید کے معنی یہ ہیں کہ ہم پختہ اعتقاد و یقین رکھیں کہ ان کے علاوہ کوئی قادر مطلق نہیں اور کسی کو کسی چیز پر ایسی قدرت حاصل نہیں ـــ اسی طرح جیسا اور جتنا علم اللہ تعالیٰ کو ہے ویسا اور اتنا علم کسی کو بھی نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ کے علم کی کوئی حد و انتہا نہیں ان کے سوا کسی کا علم لا انتہا نہیں ہو سکتا بلکہ انبیاء و اولیاء ملائکہ جن وغیرہ ہر مخلوق کا علم خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو بہر حال محدود ہوتا ہے اور کسی نہ کسی حد پر اس کی انتہا ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے یعنی خود بخود اُنہیں حاصل ہے اور کسی مخلوق کا علم ذاتی نہیں ہو سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ عطا فرمائیں تو کسی کو کوئی علم نہیں حاصل ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ عقل و فہم عطا فرماتے ہیں اور انہیں کی مشیت سے وہ سمجھتی اور جانتی ہے ان کی مشیت اور عطا کے بغیر کوئی شخص کچھ نہیں جان سکتا۔ اسی طرح عالم میں جو حوادث و واقعات پیش آتے ہیں اور حالات میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اُن کے ارادے سے ہوتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے بغیر ان کے ارادے کے کچھ نہیں ہو سکتا خواہ کوئی دوسرا کتنی ہی خواہش کیوں نہ کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سب بندے انبیاء اولیاء ملائکہ جن و انس وغیرہ ساری مخلوق ملکر ایک ذرہ کو بھی جنبش دینا چاہیں تو بغیر حکم الٰہی نہیں دے سکتے یا کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا چاہیں تو بغیر مشیت الٰہی نہیں پہونچا سکتے۔ نفع

نقصان اور جملہ تصرفات کے مالک صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ ان کے سوا کوئی
کسی چیز کو نہ پیدا کر سکتا ہے نہ مٹا سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔
انسان اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندے اشیاء میں جو تصرف کرتے ہیں
وہ اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت سے ہوتا ہے اور اس کی قدرت وطاقت اللہ
تعالیٰ ہی کے عطا کرنے سے حاصل ہوتی ہے اگر وہ نہ چاہیں تو کوئی شخص
کوئی تصرف اور تغیر نہیں کر سکتا۔ اسی جگہ سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے
کہ اللہ تعالیٰ ہی رب العالمین ہیں یعنی سارے جہاں کے پروردگار ہیں۔ وہی
حقیقی حاجت روا اور مشکل کشا ہیں وہ غنی ہیں کسی کے محتاج نہیں اور ساری
مخلوق ان کی محتاج ہے ان کے سوا کوئی رب نہیں یعنی کسی مخلوق کو خواہ کوئی
نبی ورسول ہوں یا ولی یا اور کوئی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا توحید کے خلاف
اور شرک ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ حاضر ناظر ہیں یعنی
زمان ومکان کے پابند نہیں ہیں بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہیں یہ صفت بھی
ان کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاسکتی ان معنی میں کسی مخلوق کو بھی حاضر و
ناظر نہیں کہہ سکتے خواہ وہ کوئی نبی اور رسول ہوں یا فرشتہ یا اور کوئی یہ چند
مثالیں ہیں ان کی روشنی میں ہم اس بنیادی عقیدے سے روشناس کرانا چاہتے
ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی طرح ان کی کسی صفت میں بھی کوئی ان کا شریک
اور اُن کا مثل نہیں اور اُن کی کسی صفت کی ایسی کوئی صفت کسی مخلوق میں
نہیں پائی جاسکتی کسی مخلوق کو خواہ وہ انسان ہو یا فرشتہ نبی ہو یا ولی یا اور
کوئی اُن کی کسی صفت سے موصوف کرنا عقیدۂ توحید کے خلاف اور شرک و

کفر میں داخل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ لیس کمثلہ شئی اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں۔ یہ تفصیل ہے اس کلمۂ توحید کی جس پر اسلام کی بنیاد قائم ہے یہ سب باتیں لا الٰہ الا اللہ میں اجمالی طور پر داخل ہیں۔ جب ہم صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود بناتے ہیں اور اُن کے سوا کسی کو لائق عبادت نہیں سمجھتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُن کے سب صفات کمال پر جو بے مثال ہیں ایمان لاتے ہیں کیونکہ معبود وہی ہو سکتا ہے جس میں غیر محدود اور لا انتہا کمال ہو اور جو بے نظیر اور بے مثال اور ہر نقص و عیب سے پاک ہو جس کے سب محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو اس کے معنی یہ ہیں کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہیں۔

یہاں ایک بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان کوئی صفت مشترک نہیں ہے بعض اوصاف بظاہر مشترک معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت وہ بھی مشترک نہیں، محض نام کا اشتراک ہے مثلاً اللہ تعالیٰ سمیع ہیں یعنی سنتے ہیں اور بندے بھی سُنتے ہیں اللہ تعالیٰ بصیر ہیں یعنی دیکھتے ہیں اور بندے بھی دیکھتے ہیں رب العالمین بھی کلام فرماتے ہیں اور بندے بھی بات کرتے ہیں لیکن دونوں کی حقیقت الگ الگ ہے یعنی حق تعالیٰ کا کلام کرنا بندوں کے کلام کے مثل نہیں اللہ تعالیٰ کے کلام کی حقیقت دوسری ہے جو عقل و فہم کی گرفت میں نہیں آسکتی اور بندوں کے کلام کی حقیقت وہ ہے جو ہم جانتے ہیں یہ بالکل دوسری چیز ہے۔ اسی طرح رب العالمین کا سُننا اور دیکھنا

بندوں کے سُننے اور دیکھنے کے مثل نہیں اگرچہ اس قسم کی صفات کیلئے الفاظ دونوں جگہ یکساں استعمال ہوتے ہیں مگر انکے معنی میں زمین آسمان کا فرق ہے اور حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں ادنیٰ مشابہت بھی نہیں یکسانیت تو کیا ہوتی۔ اس موقعہ پر پھر وہی آیۃ مقدسہ یاد دلاؤں گا یعنی لیس کمثلہ شئی اللہ تعالیٰ کے مشابہ کوئی نہیں اور یہ بھی یاد دلاؤں گا کہ کسی بندے کو سُننے والا دیکھنے والا کلام کرنے والا تو کہہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرح سُننے والا یا کلام کرنے والا ہرگز نہیں کہہ سکتے ایسا کہنا توحید کے خلاف اور شرک خالص ہے۔

توحید خالص و کامل

دُنیا میں جتنے بھی مشہور مذاہب ہیں وہ سب "توحید" کے دعوے دار ہیں، یہاں تک کہ مشرک اور بُت پرست بھی خود کو مشرک نہیں کہتے بلکہ موحد کہتے ہیں لیکن درحقیقت حقیقی "توحید" صرف اسلام میں پائی جاتی ہے اسلام کے علاوہ کسی مذہب میں ایسی کامل اور خالص توحید کی تعلیم نہیں ملتی اسلامی تعلیم "توحید" عقیدے اور عمل دونوں کو شرک سے پاک کرتی ہے۔ شرک کا تھوڑا سا بیان کر دیا جائے تو اس سے توحید کامل کی حقیقت زیادہ اُجاگر ہو جائے گی۔ کیونکہ جب کسی چیز کی ضد سامنے آتی ہے تو وہ چیز زیادہ واضح اور روشن ہو جاتی ہے۔

شرک :-

توحید کے بیان سے یہ بات تو یقیناً سمجھ میں آگئی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ایسا کسی کو سمجھنا اور صرف ذات میں نہیں بلکہ اُن کی کسی صفت میں بھی کسی کو ان کا مثل یا مقابل سمجھنا شرک میں داخل ہے۔ یہ بھی معلوم ہو چکا کہ حق تعالیٰ کی ایک صفت خاص یہ بھی ہے کہ وہ "معبود" ہیں اس صفت میں بھی کسی کو ان کا شریک جاننا شرک ہے۔ لا الٰہ الا اللّٰہ کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود یعنی مستحق عبادت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرنا شرک ہے جو بدترین گناہ ہے۔ عبادت کے بہت سے طریقے ہیں کسی طریقہ سے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرنا شرک میں داخل ہوگا بطور نمونہ عبادت کے بعض طریقے ہم ذکر کرتے ہیں۔ انہیں اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے اختیار کیا جائے تو اس کام شرک کہیں گے۔ سجدہ کرنا عبادت کا ایک طریقہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا حرام اور شرک ہے۔ اسی طرح کسی کے لئے رکوع کرنا بھی شرک ہے کیونکہ وہ بھی عبادت کا ایک طریقہ ہے بعض جاہل مسلمان جو قبروں یا پیر کو سجدہ کرتے ہیں یا ان کے سامنے رکوع کرتے ہیں شرک کے گناہ عظیم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں ہدایت اور توبہ کی توفیق نصیب فرما دیں۔
دُعا مانگنا بھی عبادت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے دُعا مانگنا شرک ہے جو کچھ مانگنا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا چاہیے اور صرف انہیں سے دُعا کرنا چاہیے اولیاء اللہ یا انبیاء سے دُعا کرنا بھی شرک میں داخل ہے

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی یہ قُدرت و طاقت نہیں کہ بغیر اسباب کے محض اپنے حکم سے کسی کا کوئی کام کردے اور کسی کی مدد کرسکے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اس طرح امداد چاہنا کہ گویا وہ اسباب کے بغیر بھی ہماری مدد کردیں گے اور ہمارا کام بنا دیں گے شرک ہی کی ایک قسم ہے افسوس ہے کہ بہت سے ناواقف مسلمان اس شرک میں مبتلا ہیں۔ آپ نے بہت سے مسلمانوں کو یا علیؓ یا حسینؓ وغیرہ کے نعرے لگاتے ہوئے سُنا ہوگا یہ سب مشرکانہ نعرے ہیں اور اسلام میں بالکل ناجائز ہیں افسوس ہے کہ ہمارے یہ مسلمان بھائی نماز میں "ایاک نعبد و ایاک نستعین"۔ (یا اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں) کا عہد و اعتراف حق تعالیٰ کے سامنے کرتے ہیں اور اس کے بعد اس قسم کے نعرے لگا کر اور اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اس طرح کی مدد مانگ کر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ قربانی کرنا بھی عبادت کا ایک طریقہ ہے اسے بھی حق تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو خوش کرنے کے لئے کسی جانور کی قربانی کرنا شرک ہے۔ ایسی قربانی کا گوشت بھی کھانا حرام ہے علیٰ ہذا طواف کرنا بھی عبادت ہے اور کعبہ شریف کے علاوہ جس کے طواف کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور کسی جگہ، عمارت، قبر وغیرہ کا طواف کرنا شرک اور حرام ہے۔ عبادت کے ایسے طریقے جو اسلام نے نہیں بتائے ہیں لیکن مشرک قومیں اپنے معبودوں یعنی خیالی دیوتاؤں اور بُتوں کی عبادت ان طریقوں سے کرتی ہیں ان پر عمل کرنا بھی شرک میں داخل ہے۔ مثلاً چڑھاوا چڑھانا۔ بت پرست

اپنے بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں یعنی روپیہ پیسہ، مٹھائی، وغیرہ جو چیز چڑھانا ہوتی ہے ان بتوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور پھر اسی کے پجاری اس چیز کو لے لیتے ہیں۔ یا بطور تبرک تقسیم کردی جاتی ہے اسلام میں چڑھاوا چڑھانا کوئی طریق عبادت نہیں لیکن مزاروں اور قبروں اور جھنڈے، تعزیہ علم وغیرہ پر چڑھاوا چڑھانا شرک اور گناہ عظیم ہے کیونکہ یہ مشرکوں کا طریق عبادت ہے خود تعزیہ، علم وغیرہ رکھنا اور نکالنا بھی گناہِ عظیم اور حرام ہے۔

اسی طرح " امام ضامن" بازو پر باندھنا جیسے بعض جاہل کسی عزیز یا دوست کے بازو پر اس وقت باندھتے ہیں جب وہ کسی طویل سفر پر جارہا ہو، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ امام اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہو جائیں، داخل شرک اور حرام ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ" امام" معاذ اللہ عالم الغیب ہیں۔ جو اس کی ہر حالت سے باخبر رہیں گے اور معاذ اللہ قادر مطلق بھی ہیں کہ اسے ہر بلا سے بچا سکیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ کھلا ہوا شرک ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی عالم الغیب ہے نہ کوئی قادر مطلق۔ اس لئے" امام ضامن" باندھنا جو ان مشرکانہ باطل وفاسد اعتقادات پر مبنی ہے مشرکانہ کام اور حرام ہے۔

"نادعلی" کے نام سے عربی میں دو شعر کسی منافق نے تصنیف کئے ہیں۔ بہت سے جاہل سنی بھی انھیں پڑھتے ہیں ان کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو مصائب کے وقت پکارو اور ان سے مدد طلب کرو یہ کھلا ہوا مشرکانہ مضمون ہے مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارنا چاہیے نہ کہ حضرت علیؓ کو جو کہ خود اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔

نیز وہ کوئی عالم الغیب نہیں جو ہر شخص کی پکار کو سن لیں نہ انہیں ایسی قدرت ہے کہ ہر ایک کی مدد کر سکیں اللہ تعالیٰ کے بجائے ایسے موقع پر انہیں پکارنا شرک اور حرام ہے مزید یہ کہ ایسے اشعار جن میں ایسا مشرکانہ مضمون ہو لکھ کر بچوں کے گلے میں ڈالنا یا برکت کے لئے گھر میں رکھنا بھی ناجائز اور گناہ ہے۔ یہ چند مشرکانہ اعتقادات و اعمال ہم نے بطور نمونہ پیش کر دیئے۔ اور بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو مسلمانوں میں غیر قوموں سے میل جول کی وجہ سے رائج ہوگئی ہیں اور وہ اسلامی نقطۂ نظر سے شرک میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام اور سخت گناہ ہیں ہر مسلمان کو ان سب سے خود بھی بچنا اور اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو بچانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ مندرجہ بالا مثالوں کو ذہن میں رکھ کر لکھا پڑھا آدمی دوسری مشرکانہ باتوں کو بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ مندرجہ بالا بیان شرک سے تم پر واضح ہوگیا ہوگا کہ اسلام کی "تعلیم توحید" کیسی کامل اور خالص ہے بلکہ درحقیقت توحید حقیقی کی تعلیم صرف اسلام میں ملتی ہے اس کے سوا جملہ مذاہب کی توحید بالکل ناقص اور شرک آمیز ہے۔

رسالت

رسول کی ضرورت :-

رسول کسے کہتے ہیں؟ وحی کے معنی۔ نبی اور رسول میں فرق۔

ایمان بالرسالۃ کا مفہوم

جادۂ حیات پر ہمارا ہر قدم سوالیہ جملہ کا ایک نشان ہوتا ہے۔ اور بہت سے سوالات ہمارا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ منزل مقصود کیا ہے؟ صحیح راستہ کیا ہے؟ کیا اس میں نشیب و فراز بھی ہیں؟ راہ میں کوئی خطرہ تو نہیں۔ اگر ہے تو کیا؟ اس سے حفاظت کی کیا صورت ہے؟ اسے طے کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ زادِ راہ کی کیا نوعیت ہونا چاہیے؟ درمیانی منزلیں کون کون ہیں؟ ان کے حالات کیا ہیں؟ اس طرح کے سیکڑوں سوالات ہمارے سامنے ہوتے ہیں جن کے جواب سے ہم بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔

یہ سوالات بالکل فطری ہیں۔ جس طرح ایک جاہل اور گنوار انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح بڑے بڑے فلسفی اور سائنٹسٹ سے بھی جواب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ راہِ حیات کا طے کرنا تو بہت بڑا مسئلہ ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اس سے کہیں فروتر امور کے بارے میں ہمارے ذہن کو بہت سے کانٹوں میں اُلجھنا پڑتا ہے۔ اور سوالات کی اس وادی پُرخار کو طے کئے بغیر ہم منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ مثلاً آپ کو کراچی سے حیدرآباد جانا ہے اگر آپ راہ سے ناواقف ہیں تو آپ کو معلوم کرنا پڑتا ہے کہ ریل سے جانا مناسب

ہے یا بس ہے؟ سفر کے گھنٹہ کا ہے؟ ریل گاڑی کے بجے چھوٹتی ہے؟ کرایہ کیا ہے؟ کس کلاس کا ٹکٹ لینا مناسب ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ خیال تو کیجئے کہ جب اتنے مختصر سے سفر کے متعلق اتنے مسائل پیدا ہوتے ہیں تو اس سفر کے مسائل کا کیا پوچھنا ہے جو زندگی کے ہر سفر سے زیادہ طویل اور پُرخطر ہے۔ بچہ تیز رفتار رہوار زمانہ پر سوار ہو کر دُنیا میں وارد ہوتا ہے جو بغیر ادنیٰ توقف کے اُسے لے کر منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے وہ سکون و توقف کے نام سے بھی ناآشنا ہے حرکت اس سواری کی فطرت اور سفر اس کا مزاج ہے۔ بچپن، لڑکپن، نوجوانی، جوانی، کہولت، اور بڑھاپے کی منزلیں آتی رہتی ہیں اور نکلتی رہتی ہیں مگر ایک لمحہ توقف کے بغیر سفر جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ موت کی منزل اس کے اس دنیاوی سفر کو ختم کر دیتی ہے۔ کتنی خطرناک بات ہے! کہ اس طویل سفر کے بارے میں جس کے روکنے پر اسے قطعاً قدرت نہیں جو اس کے ارادے سے ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہوتا۔ اور جس کے بارے میں قدم قدم پر بیسیوں سوالات پیدا ہوتے ہیں اسے کچھ بھی علم نہیں ہوتا۔

ان سب سوالات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہونا چاہیے؟ اور ہمیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے زندگی کس طرح بسر کرنا چاہیے؟ ان سوالات کا جواب کون دے سکتا ہے؟ تم کہو گے کہ عقل! اچھا تو عقل ہی سے پوچھو کہ کیا وہ اس کا اطمینان بخش جواب دے سکتی ہے؟ لیکن پہلے یہ تو متعین کر لو کہ کس کی عقل سے پوچھو گے؟ دُنیا میں کوئی عقلِ کُل نہیں پائی جاتی جو سب انسانوں میں مشترک اور سب کی رہنمائی کے لئے مستعد ہو۔ ہر ذی عقل کی عقل و فہم الگ

اور مستقل ہے۔ اور ان عقلوں کے مدارج ارتقاء، طریق فکر، اور طرز رفتار میں بہت تفاوت و فرق ہوتا ہے۔ ان مسائل کو فلسفہ کا موضوع خیال کیا جاتا ہے جب ہم فلسفیوں سے جاکر پوچھتے ہیں تو اُن کے جوابات میں شدید اختلاف نظر آتا ہے۔ افلاطون کچھ کہتا ہے، ارسطو بالکل اس سے مختلف جواب دیتا ہے برکلے کا جواب ان سب سے الگ ہے۔ ہیوم، کانٹ، ہیگل، اسپنوزا وغیرہ جس سے پوچھئے ہر ایک کی عقل کوئی نیا جواب مہیا کر دے گی۔ آپ حیران رہ جائیں گے کہ کس کے جواب کو صحیح سمجھیں؟ اگر آپ ذہین ہیں تو آپ کسی جواب سے بھی مطمئن نہ ہوں گے۔ اور اگر کُند ذہن ہیں تو جواب آپ کی سمجھ ہی میں نہ آئے گا۔ اس پر عمل کرنا یا اسے زندگی کا راہبر بنانا تو بہت دور کی باتیں ہیں۔ جواب میں فلسفوں کا یہ اختلاف کس قدر حیران کُن ہے! اسکے معنی یہ ہیں کہ انسانی عقل ان سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہے اور اس بارے میں اس پر اعتماد کرنا بے عقلی ہے۔ مزید برآں یہ لطیفہ بھی سُنتے چلئے کہ فلسفیوں کو خود اقرار ہے کہ وہ مذکورہ بالا سوالات کا اطمینان بخش اور قابل عمل جواب دینے سے قاصر ہیں۔ مشہور ماہر فلسفہ سی، ای، ایم، جوڈ (C.E.M. JOAD) اپنی مشہور کتاب فلاسوفی (PHILOSOPHY) صفحہ ۱۶ پر لکھتا ہے:۔

> "زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور ہمیں کس طرح زندگی بسر کرنا چاہیے فلسفہ ان سوالوں سے بحث کرتا ہے لیکن اس لئے نہیں کہ وہ ان کا کوئی فیصلہ کُن جواب دے سکے گا بلکہ اس کا کام صرف غور و فکر اور بحث و تمحیص کرنا ہے۔

ان جوابات پر غور و فکر و بحث کرنا بھی اس کے دائرے
یں داخل ہے جنہوں نے ہم سے بڑے آدمیوں کو بظاہر
متاثر کیا ہے۔"

اس اعتراف سے ظاہر ہے کہ فلسفہ ہمارا رہنما نہیں بن سکتا۔ وہ تشنگی تو پیدا کرتا ہے مگر اسے تسکین نہیں دے سکتا۔ وہ بھوک تو پیدا کرتا ہے مگر غذا نہیں مہیا کرسکتا اس سے امداد طلب کرنا اور فلسفیوں کی عقل سے اپنے مندرجہ بالا سوالات کا جواب مانگنا بالکل عبث بلکہ تحیر خیز اور گمراہ کن ہے۔ فلسفیوں کو چھوڑ کر سائنس والوں کے پاس چلئے۔ اگر وہ جواب دینے کی کوشش کریں گے تو وہی اختلاف رونما ہو کر آپ کو حیرت میں ڈال دے گا۔ ورنہ ان کا متفقہ جواب یہ ہوگا کہ یہ مسائل ہمارے دائرہ فکر و بحث سے باہر ہیں۔ ہم ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ انھیں پر موقوف نہیں بلکہ ہر طرح اور ہر گروہ کے عقلمند انسانوں سے دریافت کرکے دیکھ لیجئے جوابات کا اختلاف آپ کے لئے پریشانی و حیرت کا موجب اور راہ عمل کا سنگ گراں ثابت ہوگا۔ یہ مسئلہ تو بعد کا ہے کہ خالص عقل کے جوابات صحیح بھی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ مندرجہ بالا تشریح کے پیش نظر پہلا سوال تو یہی پیدا ہوتا ہے کہ کس کی عقل کے جواب پر عمل کیا جائے؟ اور کس کی فہم کو رہنما بنایا جائے؟ ہم اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان سوالات کا جواب عقل سے طلب کرنا عبث اور اسے اپنی زندگی کا رہبر و رہنما بنانا خلاف عقل اور موجب گمراہی ہے۔

عقلوں کا یہ اختلاف تو اس حقیقت کی نقاب کشائی کر رہا ہے کہ وہ خود

مبتلائے حیرت ہے اسے خود راستہ نہیں سُجھائی دیتا پھر کہاں کی عقلمندی ہے کہ اس ششدر و حیران اور راہ منزل سے بے خبر کو رہبر و رہنما بنایا جائے۔

عقل و فہم کو اس مرحلہ تحیر پر روک کر ایک دوسرے زاویے سے بھی اس کی پوزیشن پر نظر کیجئے۔ ہماری زندگی ایک ایسی زنجیر کی طرح ہے جس کی دونوں سرے مفقود ہیں۔ عقل اس کی ابتدا کو دیکھتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتی کہ وہ کہاں سے آئی؟ اس کی آخری کڑی کو موت کا طاقتور پنجہ توڑ دیتا ہے۔ عقل نہیں جانتی کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ حیات انسانی دو پردوں کے درمیان محصور ہوتی ہے۔ ایک پردہ اس کی پیدائش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور ایک اس کی موت کے آگے۔ ان دونوں پردوں کے اس طرف جو کچھ بھی ہے اسے نہ ہماری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں نہ ہاتھ چھو سکتے ہیں۔ وہ کلیتہً ہمارے جملہ حواس کی دسترس سے باہر ہے اس بدیہی واقعہ کے ساتھ اس حقیقت پر بھی نظر کیجیے کہ عقل کی رسائی اسی جگہ تک ہو سکتی ہے جہاں تک ہمارے حواس ظاہری کی دسترس ہو۔ ہمارے حواس اس کے لئے مواد (DATA) مہیا کرتے ہیں عقل کا کام یہ ہے کہ وہ اس میں اپنے تصرفات سے نئی مخصوص ترکیب و ترتیب پیدا کر کے نئے معلومات حاصل کرتی ہے۔ بغیر اس مواد کے عقل کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ جب وہ چیز ہی نہ ہو گی جس میں ترکیب و ترتیب کا تصرف اس کا کام اور وظیفہ ہے تو وہ تصرف کس چیز میں کرے گی؟ ہم عقل کو انجینئر سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو نئی نئی ڈیزائنوں کی عمارتیں تیار کرتا ہے لیکن وہ اپنی قابلیت کے اظہار کے لئے اینٹ، گارا، سیمنٹ، ریت وغیرہ

سامان کا محتاج ہے جس کے بغیر تعمیر ناممکن ہے۔ اگر مزدور یہ سامان بہم نہ پہونچائیں تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح عقل کے پاس جب تک حواس ظاہرہ کا جمع کیا ہوا سامان موجود نہ ہو اس وقت تک وہ انسان کی کوئی رہنمائی نہیں کر سکتی اور اسے نئے معلومات سے آشنا نہیں بنا سکتی۔ جب وہ جان ہی نہیں سکتی کہ انسان کہاں سے آیا ——— اور کہاں جائے گا۔ عالم دنیا میں آنے سے پہلے معدوم تھا یا موجود ؟ موجود تھا تو کہاں اور کس حالت میں تھا ؟ اس حالت کا کیا اثر اس کی زندگی پر پڑتا ہے ؟ مرنے کے بعد وہ معدوم ہو جائے گا یا موجود رہے گا اگر رہے گا تو کہاں ؟ اگر اسے کسی دوسرے عالم میں جانا ہے تو اس پر اس کی موجودہ زندگی کے طرز عمل کا کیا اثر پڑے گا ؟ اور اس کے تقاضوں کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اپنی زندگی کس طرح گزارنی چاہیئے ؟ اس قسم کے جملہ سوالات کے جواب دینے سے عقل بالکل قاصر و عاجز ہے۔ واضح بات ہے کہ جب تک ہم ان مسائل کو نہ حل کریں اس وقت تک ہم زیر بحث سوالات کا بھی کوئی تشفی بخش جواب نہیں حاصل کر سکتے یعنی کوئی عقل ہمیں یہ نہیں بتا سکتی کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے ؟ اور ہمیں اس کے لحاظ سے کس طرح زندگی گزارنا چاہیئے ؟

آپ نے دوسرے زاویے سے بھی دیکھ لیا کہ عقل بدستور حیرت زدہ اور ان مسائل کو حل کرنے سے اپنے عجز کی معترف نظر آتی ہے۔ یہ سوال تشنۂ جواب ہی رہتا ہے کہ ہمارے مندرجہ بالا سوالات کون حل کرے ؟ تھوڑی دیر کے لئے اس جگہ سے ہٹ کر ایک تیسرے زاویے سے بھی مسئلہ پر نظر کیجئے۔

یہ ایک حقیقت ہے جسے ہم جانتے اور مانتے ہیں کہ ہماری زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے انہیں نے ہمیں پیدا کیا اور ہماری موت بھی اُنھیں کے حکم سے آئے گی۔ وہی ہمارے اور سارے جہاں کے خالق اور مالک ہیں۔ وہی ہمارے "رب" یعنی پرورش کرنے والے ہیں اور جو نعمتیں ہمارے پاس ہیں وہ سب اُنھیں کی عطا کی ہوئی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارا ایک ربط اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ تعلق و ربط "عبدیت و معبودیت" کا ہے یعنی ہم بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے مالک اور معبود۔ دوسرا تعلق ہمارا اللہ تعالیٰ کے بندوں اور مخلوق کے ساتھ ہے جب ہم اپنی زندگی کے اس دوگونہ تعلق پر نظر کرتے ہیں تو طریق زندگی کا سوال بھی دوہرا ہو جاتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کریں؟ اور ان کے بندوں کے ساتھ ہمارا کیا طرزِ عمل ہونا چاہیئے؟

انسانی عقل کیسے بتا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ ہمارا کیا طریقہ ہونا چاہیئے۔ ان کی عبادت کریں تو کیسے کریں؟ اطاعت کریں تو کیسے کریں؟ کن کاموں سے وہ راضی ہیں اور کن باتوں سے ناراض؟ یہ باتیں تو اللہ تعالیٰ ہی بتا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور ان کے صفات ہر مخلوق کی عقل فہم سے بالاتر اور اس کی دسترس سے باہر ہیں، بالفرض اگر وہ یہ بتا بھی دے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے تو خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرزِ عمل کے بارے میں تو وہ بالکل گونگی ثابت ہوگی۔ جہاں تک اس کی پرواز ہی نہیں ہے اس کے متعلق وہ کیا بول سکتی ہے؟ اور سچ تو یہ ہے

کہ وہ مخلوق کے بارے میں بھی ہمارا طرزِ عمل متعین نہیں کرسکتی۔ درحقیقت رب العالمین ہی وہ طریقہ بتا سکتے ہیں جو ان کے بندوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اختیار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہی سب کے پیدا کرنے والے ہیں۔ اور وہی ان کی فطرت کو کامل طور پر جانتے ہیں۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم اس راستہ سے بھی اسی منزل پر پہونچے جہاں عقلِ انسانی ششدر، حیران اور خاموش کھڑی ہوئی ہے اور ہمارے سوالات کا جواب دینے کے بجائے اپنی پریشانی وعاجزی کا اظہار و اعتراف کررہی ہے ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور ہمیں کس طرح بسر کرنا چاہیے؟ یہ زندگی کے اہم ترین اور ناگزیر سوالات ہیں۔ ہم نے عقلِ انسانی سے ان کا جواب مانگا مگر اسے اس کام سے عاجز پایا۔ تین زاویوں سے ہم نے اسکی طرف نظر کی مگر ہر مرتبہ نتیجہ وہی رہا کہ وہ جواب سے عاجز ہے۔ اس لئے اس سے پوچھنا عبث بلکہ گمراہی و ہلاکت کا باعث ہے۔ تاہم اس سے کہئے کہ کم از کم اتنا تو بتا دے کہ آپ کس سے پوچھیں؟ اس کے جواب میں وہ کہے گی کہ ان سوالات کا جواب وہی دے سکتا ہے جس نے مجھے تمہیں اور سب کو پیدا کیا ہے

یہ حقیقت تو آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی کہ مقصدِ حیات واصول زندگی معلوم کرنے کے لئے ہم اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی کے محتاج ہیں اور اُن کے علاوہ کوئی ان مسائل کو نہیں حل کرسکتا اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بعد کسی ہدایت و رہنمائی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہمارا رب نہیں اور جس طرح ان کے سوا کوئی ہمارا معبود نہیں اسی طرح ان کے سوا

کوئی حقیقی ہادی بھی نہیں ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت ورہنمائی کا کوئی انتظام فرمایا ہے یا نہیں؟ اور اگر فرمایا ہے تو کیا؟ اللہ تعالیٰ ہمارے رب یعنی پروردگار ہیں اُنھوں نے اپنی رحمت اور اپنے کرم سے نوعِ انسانی کو یہ شرف عطا فرمایا کہ اس کے کچھ افراد کو دوسرے بندوں کی ہدایت کے لئے واسطہ بنا دیا اس طرح کہ ان پر وحی نازل فرمائی اور وحی کے ذریعہ انھیں اپنے احکام کی تعلیم دے کر حکم دیا کہ وہ دوسروں کو ان احکام کی تعلیم دیں اور ان سے ان کی تعمیل و پیروی کرائیں۔ یہ حضرات جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے منتخب فرمایا تھا اور جن پر اپنی وحی اُتاری اُنھیں انبیاء و مرسلین کہتے ہیں۔ یہ دونوں لفظ جمع کے صیغے ہیں واحد کے لئے نبی اور مُرسل یا رسول کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

وحی :-

عربی زبان میں "وحی" کے معنی خفی طور پر اشارہ کرنے کے ہیں چونکہ نبی کے علم کا یہ ذریعہ عام لوگوں سے مخفی ہوتا ہے اس لئے اسے وحی کہتے ہیں۔ وحی کی پوری کیفیت و حقیقت تو انبیاء و مُرسلین ہی سمجھ سکتے ہیں جن پر وحی نازل ہوتی تھی۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ انسانی علم کے جو ذرائع اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں ان میں سے وحی بھی ایک ذریعہ ہے۔ ہمارا علم مشاہدے اور تفکر کا رہینِ منت ہوتا ہے، جس میں مشاہدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ وحی بھی ایک قسم کا مشاہدہ اور اسی کی طرح قطعی و یقینی ذریعہ علم و دانش بلکہ اس سے بڑھ کر یقینی

اور قابل اعتماد ہے۔ کیونکہ مشاہدے میں بعض اوقات حواس کی کسی کمزوری کی وجہ سے غلطی بھی واقع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ وہ شاذ و نادر ہی ہوتی ہے مگر وحی میں اس غلطی کا سرے سے امکان ہی نہیں کیونکہ صاحب وحی کی روح ادراک میں ظاہری اور مادی حواس کی محتاج نہیں ہوتی اگرچہ ان کا استعمال بھی کرتی ہے۔ لیکن اگر وہ ان سے کام نہ لیں تو بھی وہ وحی کا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً اگر وہ آنکھیں بند کر لیں تو بھی وحی لانے والے فرشتے کو دیکھ سکتے ہیں۔ بطور مثال ایک کھڑکی کا تصور کیجئے جس کا رُخ آفتاب کی طرف ہو اس میں اگر شیشہ لگا دیا جائے تو بھی آفتاب کی روشنی اس سے گذر کر اندر آئے گی لیکن ظاہر ہے کہ روشنی کے لئے شیشہ کی کوئی ضرورت نہیں اسے نکال لیا جائے تو بھی روشنی بدستور آئے گی۔ اسی طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وحی ربانی کو اخذ کرنے میں اگرچہ حواس کو استعمال کرتے ہیں مگر ان کے محتاج نہیں ہوتے نہ ان کا کوئی اثر ان کے روحانی علم و ادراک پر پڑتا ہے یہ نکتہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ الہام، کشف، حدس اور فراست بھی معلومات حاصل کرنے کے ذرائع اور وسائل سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی حقیقت کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔ لیکن اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ وحی ان سب سے الگ چیز ہے ان طریقوں سے کسی چیز کا یقین نہیں حاصل ہو سکتا۔ بخلاف اس کے کہ وحی سے یقین ہی حاصل ہوتا ہے اور اس میں شک و ریب کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ علاوہ بریں وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے سوا نبی کے کسی دوسرے پر وحی نہیں نازل ہو سکتی۔

<u>انبیاء پر ایمان</u>:۔ زندگی کے متعلق مندرجہ بالا سوالات پر پھر ایکمرتبہ

نظر کر لیجیے۔ ان کے جواب کی ہر انسان کو شدید ضرورت ہے ان مسائل کو حل کئے بغیر زندگی بسر کرنا اندھیری رات میں ایسے راستہ پر چلنے کے مرادف ہے جس سے کوئی واقفیت نہ ہو اور جو خطرات سے پُر ہو رہرو کو نہ سمت معلوم ہو نہ منزل مقصود اور نہ رہنما موجود ہو نہ کوئی رفیقِ سفر ایسا سفر کس قدر خطرناک ہے! اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اُنھوں نے ان ناگزیر سوالات کے صحیح جوابات کی تعلیم انسان کو دی اور اس کی عقل و خرد کو علم و معرفت کی روشنی عطا فرمائی لیکن ہر شخص اس قابل نہیں ہوتا کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ سے براہِ راست تعلیم حاصل کر سکے اور پیام الٰہی کو بلا واسطہ سُن سکے اور اگر ہر شخص پر وحی نازل کی جاتی تو ابتلاء، و آزمائش کی حکمت باقی نہ رہتی اس کے علاوہ اس کی ضرورت بھی نہیں ہے جب کچھ لوگوں کی بعثت سے ہدایت حاصل ہو سکتی ہے تو سب کو مبعوث کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے طریقہ یہ مقرر فرمایا کہ انسانوں میں سے بعض ہستیوں کو اپنے کلام و پیام یا بالفاظ دیگر ''وحی'' کے لئے منتخب فرما لیا۔ اور انہیں وحی کے ذریعہ تعلیم دے کر دوسروں کے لئے مُعلّم، مُربی اور رہنما بنا دیا یہی حضرات انبیا و مُرسلین کہلاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی ہیں اور سب سے آخری نبی اور رسول جن کے بعد کوئی نبی و رسول نہ آیا ہے نہ آئے گا۔ ہمارے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی نبوت و رسالت کا اقرار و یقین مسلمان ہونے کے لئے شرطِ لازم ہے اور جس کا اقرار و اظہار ہم کلمہ طیبہ کے دوسرے جزو

محمد رسول اللہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) ہیں کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے معنے :۔

مُسلمان ہونے کے لئے ضروری اور لازم ہے کہ نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول تسلیم کیا جائے اس کا یقین اس قدر پختہ اور مضبوط ہو کہ اس میں کسی شک وشبہ کی مطلق گنجائش نہ ہو۔ جو شخص اس کا انکار کرے یا اس میں شک کرے وہ دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے یا بالفاظ دیگر کافر ہو جاتا ہے۔ یہ عقیدہ اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے انسان کی زندگی پر اس کے اثرات بہت دور رس ہوتے ہیں اسکے معنی اور مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

رسول عربی زبان میں اس شخص کو کہتے ہیں کہ جسے کوئی شخص کہیں بھیجے اور نبی خبر دینے والے کو کہتے ہیں۔ رسول اللہ کے معنی ہیں اللہ تعالے کا بھیجا ہوا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم رسول اللہ کہتے ہیں۔ تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالے نے آنحضورؐ کو ہدایت کے لئے بھیجا ہے اور آنحضور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں آنحضور کو ہم نبی اللہ بھی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کو خبریں دیں۔ دونوں باتوں کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ بھی ہیں نبی اللہ بھی۔ دونوں لفظوں کے معنی میں کچھ اصطلاحی فرق بھی ہے لیکن اس کی تفصیل اس مقام پر غیر ضروری ہے۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسلامی اصطلاح میں نبی اور رسول اس شخص کو کہتے ہیں جس پر وحی نازل ہوتی ہے اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول کہنے کا مطلب یہی ہے کہ آنحضور پر اللہ جل شانہٗ کی جانب سے وحی اترتی تھی۔ جو شخص یہ تو تسلیم کرے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور نبی ہیں لیکن وحی کا انکار کرے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا اور اس کا ایمان رسالت پر نہیں ہے مثلاً جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضور نے جو تعلیم دی ہے وہ آنحضور کی غیر معمولی عقل و دانش کا ثمرہ ہے اسی کو وحی کہا گیا ہے وہ مسلمان نہیں۔ اگر مسلمان اس قسم کا ناپاک خیال دل میں لائے تو مرتد اور کافر ہو جائے ہمیں اس بات کا پختہ یقین ہونا چاہیے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الٰہی اُترتی تھی جو علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عطا فرمایا وہ وہی ہے جس کی تعلیم اُنھیں اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحی دی تھی۔ گویا علم دین کا سرچشمہ وحی ربانی ہے اس سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ آنحضور نے جو احکام یا اطلاعات دیئے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اس لیئے انہیں صحیح اور حق سمجھنا فرض اور لازم ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کے معنیٰ خود اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعلیم ہے یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ غلطی سے پاک اور مبرا ہیں ان سے کسی غلطی کا صدور

ناممکن اور محال ہے اس سے معلوم ہوا کہ دین کی تعلیم میں خواہ زبان سے ہو یا عمل سے یا اور کسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے الفاظ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے۔ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غلطی کا صادر ہونا غیر ممکن اور محال تھا۔ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ غلطیوں سے آنحضور کی حفاظت فرماتے تھے۔ مسئلہ کو سمجھنے کے لئے یہ مثال پیشِ نظر رکھئے کہ جب کوئی شخص اپنی ذاتی دولت لے کر کہیں جاتا ہے تو وہ اس کی حفاظت کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ لیکن جب حکومت اپنا خزانہ کسی کے ہاتھ کہیں بھیجتی ہے تو وہ خود اس کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے اور تابہ امکان اس کا پورا انتظام کرتی ہے۔ کہ سرکاری خزانہ لے جانے والے کو کوئی نقصان نہ پہونچے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا خزانہ علم وہدایت لے کر اسے تقسیم کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ جسے آنحضرت نے قولاً وعملاً ہر طرح تقسیم فرمایا۔

اگر معاذ اللہ آنحضور سے کسی غلطی کا صدور ہو جاتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ یہ خزانہ محفوظ نہیں رہا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ علم وہدایت کا خزانہ بھیجیں اور اس کی حفاظت کا انتظام نہ فرمائیں اور خود اس کی نگرانی نہ فرمائیں؟ اس لئے عقل سلیم کا فیصلہ یہی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ کی خاص حفاظت ونگرانی کی وجہ سے آنحضور سے غلطی کا صدور غیر ممکن ومحال تھا۔

ان حقیقتوں کو سامنے رکھنے کے بعد خود بخود ذہن اس حقیقت تک

پہنچ جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا وہ صحیح اور حق ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہمیں اس میں کوئی مصلحت اور حکمت معلوم ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو ہر حالت میں اسے صحیح اور درست تسلیم کرنا اور اس کی صحت وصداقت کا یقین رکھنا مسلمان ہونے کے لئے لازم ہے۔ اس بات کا یقین ہو جانے کے بعد کہ یہ بات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اس کی صحت وصداقت کا انکار یا اس میں شک وشبہ کرنا یا اس پر اعتراض کرنا رسالت پر ایمان لانے کے خلاف ہے اور اس جرم عظیم کا مرتکب مرتد یعنی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات ہماری عقل میں نہیں آتی تو ہمیں اپنی عقل کو الزام دینا چاہیے اور اس کی کوتاہی کا اعتراف کرنا چاہیے اور آنحضور کی بات کو صحیح اور حق ہی سمجھنا چاہیئے۔ اور یہ خیال کرنا چاہیئے کہ آنحضور کی عقل وفہم کے سامنے ہماری عقل وفہم کوئی حقیقت نہیں رکھتی پھر یہ کہ آنحضور کا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے ارشاد پر مبنی ہے اور حق تعالیٰ جل شانہٗ عقل کے بھی خالق ومالک ہیں ہماری عقل کی کیا حقیقت ہے کہ ان کے ارشاد پر معاذاللہ معترض ہو سکے۔ ان کی ہر بات پر آمنّا وصدّقنا کہنا عقل وفطرت کا تقاضا ہے

سب انبیاء پر ایمان :۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی بہت سے انبیاء ہدایت کے لئے بھیجے تھے مسلمان ہونے کے لئے ان سب پر ایمان رکھنا لازم ہے۔ کیونکہ ان میں سے

ایک کو بھی (معاذ اللہ) اگر ہم نبی نہ تسلیم کریں تو اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہوتی ہے اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ آنحضور کے کسی ارشاد کو بھی جھٹلانا کفر ہے اس کا نتیجہ صریح یہ ہے کہ سب انبیاء پر ایمان لانا فرض و لازم ہے

سب انبیاء پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ سب کو سچا اور اللہ تعالےٰ کا بھیجا ہوا نبی اور رسول مانیں۔ اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھیں کہ سب کے سب معصوم مقربان بارگاہ الٰہی اور حق تعالیٰ کے مقبول ترین بندے تھے۔ کوئی ولی اللہ ان کے درجہ عالیہ تک نہیں پہونچ سکتا بلکہ اس کے قریب بھی کسی کی رسائی نہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں انبیاء کا درجہ سب سے بلند و تر ہے اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھنا چاہیئے کہ انبیاء کرام نے دین کی تعلیم و تبلیغ اور اپنی اُمتوں کی تربیت میں کوتاہی اور غلطی نہیں کی اور ایسا کرنا ممکن بھی نہ تھا۔ کیونکہ سب کے سب معصوم تھے ان میں سے کسی میں بھی کوئی اخلاقی خامی اور کمزوری نہ تھی نہ ہو سکتی تھی یہ سب حضرات ہر قسم کی بُرائیوں سے پاک تھے۔

یہ اجمالی عقیدہ رکھنا مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے کہ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہے خواہ ہم ان کا نام جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں خواہ اُن کا تذکرہ قرآن وحدیث میں آیا ہو یا نہ آیا ہو ان سب پر ایمان لاتے ہیں یعنی ان کے متعلق مندرجہ بالا عقیدہ رکھتے ہیں۔ لیکن جب کسی نبی کے متعلق یہ علم ہو جائے کہ قرآن یا حدیث شریف میں انہیں نبی فرمایا گیا ہے تو ان پر متعین طریقہ سے ایمان لانا فرض اور لازم ہے ان کی نبوت کا انکار یا اس میں شک یا اُن پر کوئی اعتراض کرنا یا ان کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنا کفر ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بالکل صحیح تعداد کا علم تو نہیں — مگر اتنا یقینی طور پر معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء مرسلین دنیا میں تشریف لائے اُن کی تعداد ایک لاکھ سے زائد ہے ان سب پر ہمارا ایمان ہے اور اُن کے علاوہ جو اور ایسے ہوں جن کا علم ہمیں نہیں ان پر بھی ہمارا ایمان ہے ان حضرات میں سے بعض کے اسمائے گرامی قرآن مجید یا حدیث شریف میں مذکور ہیں۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل حضرت یعقوب حضرت اسحاق حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ وغیرہ علیہم الصلوٰۃ والسلام ان سب حضرات پر اور ان کے علاوہ جن حضرات کا نام مذکور ہے ان سب پر ہمارا ایمان ہے اور ہم سب کو صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کا نبی ورسول تسلیم کرتے ہیں۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اگرچہ سب انبیاء سابقین پر ایمان لانا فرض اور واجب ہے۔ لیکن متعین طور پر کسی کو نبی کہنے کے لئے قرآن یا حدیث شریف کے ذریعہ سے یقینی طور پر اس کی نبوت کا علم ہونا ضروری ہے۔ محض تخمین وظن اور قیاس آرائی کی بنیاد پر کسی کو نبی کہنا جائز نہیں مثلاً بعض لوگ گوتم بدھ صاحب یا کرشن صاحب کے متعلق یہ کہنے لگتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے کے نبی تھے یہ بات بالکل بے دلیل ہے اس لئے ایسا کرنا جائز نہیں یہ کہنا بھی مناسب نہیں کہ ان کی نبوت کا امکان واحتمال ہے کیونکہ اس امکان واحتمال کے لئے بھی کسی دلیل شرعی کی ضرورت ہے جس کا کوئی وجود نہیں البتہ ہمیں ان صاحبان کے متعلق حُسنِ ظن اور ادب سے کام لینا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے

کہ یہ اپنے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوں گے لیکن ان کی تعلیمات میں ان کے بعض پیروؤں نے تحریف کی ہے اور بہت سی غلط باتیں ان کی طرف منسوب کردیں ورنہ ان کا مذہب بھی اسلام ہی ہوگا اور انھوں نے اسی کی تعلیم بھی دی ہوگی۔

انبیاء کرام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے جو سب انسانوں کے باپ بھی تھے سب سے پہلے انسان ہیں جنہیں بغیر ماں باپ کے اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا نسلِ انسانی انہیں سے چلی ہے۔ اس سلسلہ نبوت کی انتہا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتی ہے آنحضور خاتم النبیین ہیں یعنی آخری نبی اور رسول ہیں جن پر سلسلۂ نبوت ختم فرما دیا گیا۔ آنحضور کے بعد کسی شخص کو نبوت و رسالت کا منصب نہیں عطا فرمایا گیا اور نہ کبھی عطا فرمایا جائے گا۔ نہ کسی کو صاحب وحی بنایا گیا نہ کبھی بنایا جائے گا[1]۔ ختم نبوت کا عقیدہ

---

[1] علاماتِ قیامت کے سلسلہ میں یہ عقیدہ بہت مشہور ہے کہ اس کے قربِ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہبری اور سربراہی فرمائیں گے اور دجّال کو قتل کریں گے یہ عقیدہ صحیح ہے اور یہ عقیدہ ختم نبوت کے خلاف نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نئی نبوت نہیں دی جائے گی وہ تو پہلے ہی سے نبی اور رسول ہیں آنحضور کے خاتم النبیین ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آنحضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا اور کسی شخص کو اول بار شرف نبوت سے نہیں نوازا جائے گا۔ حضرت عیسیٰ ہی کیا اگر گزشتہ انبیاء سب کے سب دنیا میں واپس تشریف لے آئیں

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

بھی بہت اہم اور ضروری عقیدہ ہے۔ اس کا انکار یا اس میں شک کرنے والا شخص اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔

بنیادی تعلیمات کے اعتبار سے سب انبیار علیہم الصلوٰۃ والسلام میں کامل اتفاق ہے سب نے بنیادی تعلیم ایک ہی دی ہے البتہ عملی احکام کے بارے میں اختلاف ہے جو زمانہ اور احوال کے اختلاف پر مبنی ہے دوسرے الفاظ میں دین سب کا ایک ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیار کرام کا دین اسلام ہی تھا اور سب نے اسی کی تعلیم دی ہے البتہ شریعت میں اختلاف ہے یعنی ان کی شریعتیں الگ الگ تھیں ایک مثال سے اس مسئلہ کی خوب وضاحت ہو جائے گی۔ ایک نوزائیدہ بچہ صرف ماں کے دودھ پر پرورش پاتا ہے جب دانت نکلنے لگتے ہیں تو اسے نرم اور ہلکی غذا بھی دی جاتی ہے جس کی مقدار اس کی عمر و قوت کے تناسب سے تدریجاً بڑھائی جاتی ہے جب جوان ہو جاتا ہے تو ہر قسم کی غذائیں کھاتا ہے پھر جس طرح انسان کی جسمانی قوتیں تدریجاً ترقی کرتی ہے اسی طرح اس کی عقلی اور ذہنی قوتیں بھی تدریجاً ترقی کرتی ہیں افراد انسانی میں ۔ ۔ مشاہدہ برابر ہوتا رہتا ہے افراد سے گذر کر اسی زاویہ سے نوع انسانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹) تو بھی ختم نبوت کے خلاف نہ ہوگا کیونکہ وہ نئے انبیاء نہیں ہیں بلکہ پُرانے ہیں جنہیں نبوت پہلے ہی مل چکی ہے اور صاحب وحی پہلے ہی بنائے جا چکے ہیں اسے خوب سمجھ لیجئے تاکہ دشمنانِ دین کے مغالطوں سے آپ محفوظ رہیں۔ منہ۔

پر نظر کیجیے اور اس کے دُنیاوی علم وفہم اور مادی ترقی پر غور کیجیے تو تدریج کا یہی قانون وہاں کار فرما پائیں گے ایک زمانہ تھا کہ انسان جانوروں کی کھالوں سے بدن ڈھانکتا تھا پتھر کے اسلحہ اور آلات استعمال کرتا تھا پھلوں اور شکار کئے ہوئے حیوانات کے گوشت پر بسر کرتا تھا رفتہ رفتہ وہ عالیشان مکانات میں رہنے اور عمدہ پکا ہوا کھانا کھانے لگا اور لکڑی کے استعمال سے واقف ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ہزاروں برس کی مدت طے کرکے دُنیاوی عقل یا بالفاظ دیگر عقل معاش کے اعتبار سے درجہ کمال کو پہونچا یہاں تک کہ اس کی ہمت اور حکمت نے اسے کرۂ ارض سے کرۂ قمر تک پہونچا دیا اور ابھی معلوم نہیں کہاں تک پہونچائے گی یہ اس کی واضح علامت ہے کہ اس کی عقل کامل ہو چکی یعنی اسمیں ہر قسم کے مادی مسائل و وسائل کو سمجھنے کی قابلیت وصلاحیت موجود ہے یہاں تک کہ کرۂ ارض کے باہر کے مسائل بھی سمجھ سکتی ہے اب انسان کے معلومات میں ترقی ہو رہی ہے خود عقل وفہم کسی مزید ترقی کی محتاج نہیں مادیات کی عقل وفہم کمال کو پہونچ چکی ہے جس کے بعد کوئی مزید درجہ اسے نہیں حاصل کرنا ہے

وہ مسائل جو صرف ہماری دُنیاوی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں سمجھنے کی ذہنی قوت کو عقل معاش یا دنیاوی عقل کہتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل کو ان مسائل کے سمجھنے کی بھی قوت دی ہے جن کا تعلق مرنے کے بعد آنے والی زندگی کے ساتھ ہوتا ہے جسے آخرت اور معاد[1] بھی کہتے ہیں اس قوت کا نام

[1] معاد عربی لفظ ہے جس کے معنی بھی واپس ہونے کی جگہ چونکہ انسان (باقی صفحہ ۵۲ پر)

عقل معاد ہے انسانی ذہن کی یہ دونوں قوتیں الگ الگ ہوتی ہیں اور دونوں کا طریقہ کار بھی جُدا جُدا ہے ۔ ہاں تو مجھے کہنا یہ ہے کہ عقل معاش کی طرح عقل معاد نے بھی تدریجاً ترقی کی ہے انبیاء علیہم السلام اسکی تربیت کرتے رہے یہاں تک کہ جب وہ کمال کو پہونچ گئی اس وقت آخری نبی و رسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا ہر نبی کی شریعت اپنی جگہ کامل تھی لیکن ہر ایک نے اپنی امت کی عقل معاد کی مناسبت سے انہیں شریعت کی تعلیم دی۔ یعنی آخرت سے تعلق رکھنے والے مسائل کے سمجھنے کی جس قدر استعداد و صلاحیت ان کی اُمت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱) عالم آخرت سے آیا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیگا اس لئے اس کا نام "معاد" رکھا گیا۔ "عقل معاش" اور "عقل معاد" کی تفریق سمجھنے کے لئے روزمرہ کے چند مشاہدات پر غور کیجئے ایک ذہین انجینئر بسا اوقات ایک مصرع بھی موزوں نہیں کر سکتا نہ کسی شعر کے حُسن و قبح کو سمجھ سکتا ہے ایک ماہر فن حاذق معالج ریاضی کے معمولی مسائل سمجھنے سے قاصر رہتا ہے اور آپ نے ایسے باکمال شعراء بھی دیکھے ہوں گے جنہیں طبعیات یا کیمسٹری کا کوئی مسئلہ سمجھانا جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہے اس طرح کی مثالیں اور بھی ملیں گی اور بکثرت ملیں گی جس طرح ان میں معلومات کے اعتبار سے عقل و فہم کی نوعیت و مناسبت میں فرق نظر آتا ہے اسی طرح "عقل معاش" اور "عقل معاد" میں فرق ہوتا ہے۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ جو شخص دنیاوی معاملات سمجھنے میں عقلمند اور ہوشیار ہو وہ آخرت اور دین کے معاملات و مسائل سمجھنے میں بھی عاقل اور ہوشیار ہو دُنیا کی فہم دوسری چیز ہے اور دین کی فہم دوسری۔ منہ۔

میں تھی اس کے مناسب درجہ کی تعلیم انہیں دی گئی تاکہ وہ اسے سمجھ سکیں اور اس پر عمل کر سکیں۔ یہاں تک کہ جب نوع انسان کی عقل معاد اپنے کمال کو پہونچ گئی اور حیثیت نوع انسان میں یہ صلاحیت و استعداد پیدا ہو گئی۔ کہ وہ عالم آخرت سے تعلق رکھنے والے دقیق احکام کو اپنے نبی کی تعلیم اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے سمجھ سکے اور ان پر عمل کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری دین اور اپنی آخری کتاب دے کر مبعوث فرمایا تاکہ وہ اپنی اُمت کو ایسی شریعت کی تعلیم دیں جو قیامت تک کے لئے کافی ہو جائے اور جس میں کسی ترمیم و تنسیخ کی احتیاج نہ ہو۔

عقیدۂ ختم نبوت:-

اس مقام پر پہونچ کر عقیدہ ختم نبوت کا روشن چہرہ سامنے آجاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سلسلہ نبوت کا ختم ہو جانا ایک ناگزیر ضرورت تھی جس کا پورا ہونا لازم تھا جب انسان کی عقل معاد کامل ہو چکی تو اس کے لئے دین کامل ہی آنا چاہیے تھا دین کامل کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہ پڑے جب اس میں کسی تغیر کی بھی احتیاج نہیں اور وہ قیامت تک ہماری کامل رہنمائی کر سکتا ہے تو کسی نبی کی کیا حاجت ہے؟ اور نہ صرف کہ یہ غیر ضروری ہے بلکہ اگر کسی نبی کے آنے کا امکان ہوتا تو موجب انتشار و تشویش ہوتا۔ اس لئے قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان فرما دیا گیا ہے کہ ہمارے نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آنحضور کے بعد کوئی نبی نہیں مبعوث ہو سکتا۔ اور آنحضور آخری نبی و رسول ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سچے عقیدہ کو بیان فرمایا ہے۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّن رِّجَالِکُم وَلٰکِن رَّسُولَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ (الاحزاب)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں (یعنی آخری نبی ہیں اور سلسلہ نبوت آنحضور پر ختم ہو گیا۔

اس سلسلہ میں ایک بات ایسی واضح ہے کہ اس کی طرف توجہ کرنے والے کے دل میں کبھی اس عقیدے کے خلاف وسوسہ بھی نہیں آسکتا اور یہ بات کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے اور نہ کبھی آئے گا آفتاب سے زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ [illegible] قرآن و حدیث میں پیغمبروں پر ایمان لانے کا مسئلہ بہت اہم اور بنیادی مسئلہ ہے جو شخص اپنے زمانہ کے نبی پر ایمان نہ لائے وہ ابدی جہنم کا مستحق ہوتا ہے اب سوال یہ ہے اگر ہمارے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی آنے والا تھا تو اس کے متعلق قرآن مجید اور حدیثوں میں بہت واضح الفاظ میں صاف صاف پیش گوئی ہونا چاہیے حالانکہ پورا قرآن مجید پڑھ جایئے آپ کو ایک آیت ایک جملہ ایک فقرہ بھی ایسا نہ ملے گا جس میں صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہو۔ کہ اُمت محمدیہ میں آنحضور کے بعد بھی فلاں فلاں نبی آئیں گے ان پر بھی ایمان لانا حدیث کا پورا ذخیرہ دیکھ جایئے آپ کو کوئی ضعیف روایت بھی اس مضمون کی نہ ملے گی کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایسے اہم مسئلہ کہ جس پر اُمت کے جنتی یا جہنمی ہونے کا دار و مدار تھا بالکل

نظر انداز کر دیا گیا اس کا کہیں تذکرہ ہی نہیں اس کی تصریح و وضاحت کے لئے
نہ کوئی آیت اُتری نہ حدیث۔ بیع و شریٰ کے مسائل تک قرآن مجید میں ملتے
ہیں حدیث میں تو نسبتاً کم اہمیت رکھنے والے مسائل بکثرت ہیں لیکن نہیں ملتا تو یہی
مسئلہ کہ آئندہ بھی (معاذ اللہ) کوئی نبی آئے گا یا کسی پر وحی نازل ہوگی کیا یہ ممکن
ہے کہ قرآن و حدیث میں ایسے اہم اور بنیادی عقیدے کو نظر انداز کیا جائے
اور نسبتاً بہت کم اہمیت رکھنے والے مسائل و احکام ذکر کئے جائیں اس پر غور
کیجئے تو یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو جاتی ہے کہ اس اُمت کو اس
مسئلہ کا سامنا ہی نہیں کرنا تھا یعنی نبوت و رسالت اور وحی ربّانی ہمارے
نبی کریم خاتم النبیین افضل المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص بھی وحی سے نہیں نوازا گیا اور نہ
قیامت تک کسی کو اس درجہ پر سرفراز کیا جائے گا جس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی بنا کر مبعوث نہیں کیا گیا اور قیامت
تک کسی کو یہ منصب نہیں دیا جائے گا یہ بھی یاد رکھئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ
وسلم کے زمانہ میں بھی وحی الٰہی صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن لوگوں نے نبوت یا وحی[1] آنے کا دعویٰ
کیا یا جو آئندہ قیامت تک یہ دعویٰ کریں وہ سب جھوٹے مفسد کافر اور جہنمی

---

[1] صاحب وحی ہونے کا دعویٰ عین دعویٰ نبوت ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں جس پر
وحی نازل ہو اسی کو نبی کہتے ہیں۔ منہ

ہیں اور اُن کے دعوے کی تصدیق کرنے والے بھی کافر مستحق نار ہیں. کیونکہ یہ سب اشخاص اسلام کے ایک بنیادی عقیدے یعنی عقیدہ ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں اور آیت ختم نبوت کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو تحریف کے مرادف ہے. عقیدہ ختم نبوت قرآن شریف احادیث نبویہ اور صحابہ کرام نیز پوری اُمت کے اجماع و اتفاق سے ثابت ہے اس طرح جو شخص یہ کہے کہ آنحضور کے زمانہ میں آنحضور کے علاوہ کسی دوسرے پر بھی وحی آتی تھی وہ بھی کافر و مستحق عذاب ہے.

اسی طرح کی قابل توجہ بات ایک اور بھی ہے قرآن مجید، توراۃ، انجیل، زبور کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر نبی نے اپنے سے پہلے آنے والے نبی کی تصدیق کی ہے اور اپنے بعد آنے والے نبی کی پیش گوئی اور اطلاع کی اور اپنی اُمت کو ان پر ایمان لانے کا حکم دیا. ہمارے نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے پیشرو انبیاء کرام کی تصدیق فرمائی لیکن اپنے بعد کسی نبی کی پیش گوئی نہیں فرمائی آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ ظاہر ہے کہ آنحضور کے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا تھا اگر کوئی نبی آنے والا ہوتا تو آنحضور ضرور اپنی اُمت کو اس کی آمد سے آگاہ فرماتے اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیتے یہ بھی ختم نبوت کی ایسی روشن اور واضح دلیل ہے کہ جس کے بعد کسی تاویل کی گنجائش نہیں باقی رہتی نہ کسی کو اس عقیدے سے انکار کرنے کے لئے کوئی عذر باقی نہیں ہے اور یہ حقیقت بالکل بدیہی ہو جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں مبعوث ہوا اور نہ قیامت تک مبعوث ہوگا اس بحث سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یعنی آخری نبی سمجھنا فرض اور لازم ہے ہر مسلمان کا یہ پختہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی نازل فرمائی اور آنحضور کے بعد کوئی نبی ورسول نہ آیا ہے اور نہ قیامت تک آئے گا۔ مختصرا الفاظ میں آنحضور خاتم النبیین ہیں یہی معنیٰ ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے پھر جس طرح ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہم سب گزشتہ انبیاء پر بھی جو آنحضور سے پہلے گذرے ہیں ایمان رکھتے ہیں اور سب کو اللہ تعالیٰ کا سچا نبی اور پیغامبر بلاشک وشبہ تسلیم کرتے ہیں لیکن یہاں یہ بات یاد رہے کہ گذشتہ انبیاء پر ہم ایمان تو رکھتے ہیں لیکن پیروی صرف نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں۔ دوسرے انبیاء کی شریعتیں ایک محدود وقت کے لئے تھیں جو ختم ہو چکا۔ شریعت محمدیہ (علیہ الف الف تحیہ) آخری شریعت ہے جس نے سب گذشتہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اب قیامت تک صرف اس کی پیروی لازم ہے اور کسی دوسرے نبی کی شریعت پر عمل کرنا جائز نہیں اس کی مثال یہ ہے کہ حکومت کوئی قانون نافذ کرے اس کے بعد اس قانون کو منسوخ کر کے دوسرا قانون نافذ کرے توکسی کے لئے قانون سابق پر جو منسوخ ہو چکا ہے عمل کرنا جائز نہیں رہتا اگر کوئی اس پر عمل کرے گا اس پر قانون کی خلاف ورزی کا الزام عائد ہوگا اور حکومت کی نظر میں وہ مجرم قرار پائے گا۔

آخر میں اس عقیدہ کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ ہمارے نبی کریم محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب بندوں میں سب سے افضل و برتر ہیں یعنی جو درجہ بارگاہ الٰہی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے وہ کسی نبی کسی فرشتے، انسان، جن، وغیرہ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کو حاصل نہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء المرسلین بلکہ افضل العباد ہیں یہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہیے۔

رسالت و نبوت محمدیہ کے عقلی دلائل :-

ہم نے قصداً اس بحث کو موخر کیا کیونکہ نبوت اور وحی کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے دلائل کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور حضور کی نبوت کا تصور ختم نبوت کے تصور سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ختم نبوت کا مفہوم بھی پہلے ہی سمجھا دینا تھا۔ اب معلوم ہوا آئندہ سطور میں ہم اس سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول اللہ ہونا کیسے معلوم ہوا؟ اور عقلی طور پر یہ دعویٰ کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر عقلی دلائل بکثرت قائم ہیں۔ ان میں سے چند کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

(۱) پہلے یہ بات ایک مرتبہ پھر ذہن کے سامنے لے آیئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کیا تھا؟ آنحضور نے فرمایا کہ میں انسان ہوں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اللہ جل شانہٗ نے مجھ پر وحی بھیجی اور میرے اوپر اپنا کلام نازل فرمایا اور مجھے خلق اللہ کی ہدایت و رہبری اور اپنے احکام کی تبلیغ و ترویج کے لئے مامور

و مقرر فرمایا یہی معنی نبوت اور رسالت کے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ سب باتیں عقلاً ممکن تھیں یا ان میں سے کوئی بات ایسی بھی ہے جو عقلاً ممکن نہ تھی؟ یہ بات بالکل صاف ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی عقلی طور پر ناممکن اور محال نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے آنحضور سے پہلے بھی انبیاء مرسلین بھیجے ہیں اور اپنی کتابیں ان پر نازل فرمائی ہیں ایسی بات کو ناممکن کیسے کہا جاسکتا ہے جو واقع ہوچکی ہو اور جس کے محال و ناممکن ہونے پر کوئی دلیل عقلی موجود نہ ہو۔ یہی نہیں بلکہ ہم ثابت کرچکے ہیں کہ نبوت و رسالت سے انسان کی ایک ناگزیر اور اہم ترین حاجت پوری ہوئی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا ہونا ہی چاہیئے تھا اللہ تعالیٰ کا کلام اور وحی بھی ناممکن باتیں نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ناممکن بات کا دعویٰ نہیں فرمایا تھا بلکہ ایسی باتوں کا دعویٰ فرمایا تھا جو عقلاً ممکن تھیں جب ان میں سے ہر بات ممکن ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی ممکن ہے اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ یہ ممکن واقع بھی ہوا یا نہیں؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ فرمایا کہ میرے اوپر کلام الٰہی نازل ہوا اور اس کلام کو قرآن مجید کے نام سے آنحضور نے ساری دُنیا کے سامنے پیش کردیا کہ جس کا جی چاہے وہ جانچ کر معلوم کرلے کہ یہ اللہ کا کلام ہے یا نہیں؟ وہ آج بھی موجود ہے اگر وہ کلام الٰہی ہے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور صداقت میں کسی کلام کی گنجائش نہیں رہتی جس پر کلام الٰہی نازل ہوا وہ یقیناً اللہ کا رسول اور نبی ہے کیونکہ نبوت کے معنی ہی صاحب وحی ہونے کے ہیں۔ قرآن مجید خود کہتا ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور سارے عالم کو چیلنج کرتا ہے کہ اگر کوئی اسے انسان کا

کلام سمجھتا ہے تو اس کی ایک آیت کے مثل بھی کوئی عبارت بنا دے اس کا یہ چیلنج
اس وقت سے ہے جب وہ نازل ہوا تھا عرب میں اس وقت زبان و ادب کا بہت
چرچا تھا اور کلام کی فصاحت و بلاغت سوسائٹی میں تفوق و برتری حاصل کرنے
کے لئے معیار کی حیثیت رکھتی تھی زبان کے متعلق ان لوگوں کا ذوق اعلیٰ ترین تھا
لیکن کوئی اس چیلنج کا جواب نہ دے سکا تیرہ سو برس سے زائد گذر چکے ہیں فصاحت
و بلاغت کے اعتبار سے زبان عربی میں بہترین کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن کی تعداد
لاکھوں تک پہونچتی ہوگی جن میں مصنفین نے بلاغت و فصاحت کے دریا بہائے
ہیں اور بقدر امکان بہترین اسلوب و زبان سے کام لیا ہے، لیکن قرآن مجید کے
اسلوب اور اس کی فصاحت و بلاغت کے مقابلہ میں ان کی فصاحت و بلاغت
ہیچ نظر آتی ہے مخالفین اسلام نزول قرآن کے وقت سے لے کر ——————
صدیوں تک اس کوشش میں لگے رہے کہ قرآن مجید کی ایک دو آیتوں ہی کا مقابلہ
کر سکیں لیکن مقابلہ سے عاجز ہو گئے اور کبھی کامیاب نہ ہو سکے اگر ایک بار بھی
کسی فرد کو کامیابی ہو گئی ہوتی تو اسلام کے مخالفین خصوصاً یہودی اور مسیحی اسے
ساری دُنیا میں مشہور کرتے اور اس کی اطلاع گھر گھر پہونچاتے یہ اس بات کا
واضح ثبوت ہے کہ قرآن مجید کے چیلنج کا آج تک کوئی جواب نہ دے سکا اور اس
کی فصاحت و بلاغت کے مقابلے سے سب عاجز ہیں یہ بھی بالکل تسلیم شدہ واقعہ ہے
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُمی محض تھے یعنی لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے ایک امی
کا ذہن و دماغ ایسی فصیح و بلیغ کتاب کس طرح تصنیف کر سکتا تھا؟ علاوہ بریں
خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا بہت بڑا ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے

جسے حدیث کہتے ہیں لیکن قرآن مجید میں اور اس میں بہت نمایاں فرق ہے قرآن مجید میں جو فصاحت و بلاغت اور ادبیت پائی جاتی ہے اس کا عشر عشیر بھی کلام نبوی میں نہیں پایا جاتا قرآن مجید کا یہ اعجاز اس بات کا نہایت مستحکم ثبوت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کا آنحضور پر نازل ہونا ہی آنحضور کی نبوت و رسالت کے ہم معنی ہے چہ جائیکہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اعلان بھی کر رہا ہے یہ یاد رہے کہ قرآن مجید صرف بلاغت و فصاحت ہی کے اعتبار سے معجزہ نہیں، بلکہ اپنے مضامین تعلیمات اسرار اور حکمتوں کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے، دنیا کی کوئی کتاب اس کے مقابلے میں نہیں لائی جاسکتی اور کوئی نوشتہ ان حیثیتوں سے بھی اس کی ہمسری نہیں کرسکتا ایسے اعلیٰ، نادر، مفید پر از حکمت اور بلند پایہ علوم و مضامین پر مشتمل کتاب کسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف نہیں ہوسکتی جو اُمی محض تھے بلکہ کسی مخلوق کی بھی قدرت نہیں کہ ایسی کتاب تصنیف کرے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی کتاب اور اُنہیں کا کلام ہے جس کا نتیجہ صریح یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔

(۲) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دوسری عقلی دلیل خود آنحضور کی سیرت مقدسہ اور پاکیزہ زندگی ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار کو قرآن مجید میں بھی اتنی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ بعض علماء نے آنحضور کی سیرت مقدسہ صرف قرآن مجید سے اخذ کر کے لکھی ہے حدیث میں تو گویا آنحضرت کی حیات طیبہ کی تصویر ہی کھینچ دی گئی ہے۔ نبوت سے قبل اور اس

کے بعد زندگی کے دونوں حصّوں کے حالات آج بھی اسی طرح معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ جس طرح آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے معلوم کئے جاسکتے تھے آنحضور ؐ کی پاکیزہ زندگی بلند کردار صداقت و امانت اعلیٰ اخلاق و عادات قبل نبوت بھی ممتاز تھے اور اس تاریک ماحول میں آنحضرتؐ کی حیات طیبہ ایک نورانی کرن تھی جو دیکھنے والوں کی نگاہوں کو خیرہ کردیتی تھی اور وہ آنحضور کی تعریف پر مجبور ہو جاتے تھے قبل نبوت بھی آنحضرت کے قبیلہ کے لوگ اور وہ لوگ جنہیں آنحضرت سے واقفیت ہو جاتی تھی آنحضرت کی مدح و ستائش اور عزت و تعظیم کرتے تھے آپ کی سچائی دیانتداری کی وجہ سے نبوت سے پہلے ہی آنحضور کو لوگوں نے "امین" کا لقب دیا تھا اور عام طور پر لوگ آنحضور کو "محمد الامین" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اس کے ساتھ یہ اہم بات بھی ملحوظ رکھئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت دی ہے اور نبوت و رسالت کا دعویٰ فرمایا تھا اس وقت دو عظیم الشان سلطنتیں عرب کے قریب موجود تھیں ایک روم کی مسیحی سلطنت تھی یہ ترقی یافتہ اور متمدن تھی اور اسے اپنی علمی ترقیوں پر ناز تھا آنحضورؐ نے اس کے شہنشاہ ہرقل کو اسلام کا دعوت نامہ ارسال فرمایا تھا دوسری مجوسی سلطنت ایران میں قائم تھی یہ بھی متمدن اور ترقی یافتہ تھی اور جس طرح روما والوں کو اپنی علمی ترقی پر ناز تھا اسی طرح اہل ایران اپنے علمی و ادبی امتیازات پر نازاں تھے یہ دونوں سلطنتیں اور اُس کے عام باشندے خصوصاً مذہبی مقتدا اور سیاسی و فکری قائد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے سخت دشمن تھے دین اسلام کا فروغ ان دونوں کے مذہب کے لئے

بھی مہلک تھا اور ان کی سیاسی برتری کے لئے بھی انتہائی خطرناک تھا ان دونوں کو ان خطرات کا پورا پورا احساس بھی تھا ان کے ہاں بکثرت اہل قلم موجود تھے تاریخ نویسی اور سیرت نگاری کا رواج بھی تھا ان دونوں ملکوں کا اتنا اتصال عرب کے ساتھ تھا کہ وہ ان کے حالات اور آنحضور کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ خود آنحضورؐ قبل نبوت بسلسلہ تجارت شام تشریف لے گئے تھے لیکن باوجود اس کے کسی نوشتہ یا کتاب کا کہیں پتہ بھی نہیں چلتا جس میں ان دشمنان اسلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار اور آنحضور کی پاکیزہ اور مطہر زندگی کا معاذ اللہ کوئی عیب ظاہر کیا ہو۔ نہ کوئی ایسا قول کسی سے منقول ہے بلکہ ان لوگوں کے جو اقوال اس بارے میں ہم تک پہونچتے ہیں۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش اور تعظیم ہی کا اظہار کرتے تھے۔ اس کے علاوہ منصف مزاج غیر مسلم مورخین نے جن میں یورپ امریکہ اور ہندوستان وغیرہ کے متعدد ممالک کے افراد شامل ہیں، باوجود ایمان سے محروم ہونے کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج مدح و ستائش ادا کیا اور آنحضور کی عقلی ذہنی اور اخلاقی بلندی و برتری کو تسلیم کیا ہے[1]

---

[1] بعض متعصب اور دشمن اسلام مستشرقین یورپ و امریکہ نے آنحضورؐ کی سیرت مقدسہ پر بعض اعتراضات کئے ہیں۔ لیکن وہ سب انتہائی لغو اور غلط ہیں جن کی کوئی بنیاد ہی سرے سے موجود نہیں ان کا جواب مسلمانوں نے بہت آسانی کے ساتھ دیدیا بلکہ خود ان کے ہم مذہب و منصف مزاج محققین نے بھی ان کے اعتراضات کو لغو غلط اور بے بنیاد بلکہ تعصب و تنگ نظری پر مبنی قرار دیا ان مستشرقین کے بارے میں جن میں زیادہ تر (باقی صفحہ ۶۴ پر)

آنحضور کی سیرت اور اُن کے کردار واخلاق کی یہ بلندی اور اُن کی حیات مقدسہ کی یہ پاکیزگی اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ جو کچھ آنحضور نے فرمایا وہ حق ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی نبوت بالکل صحیح ہے کیونکہ ایسا عاقل اور اعلیٰ اخلاق وکردار رکھنے والا انسان جھوٹ نہیں بول سکتا اور اللہ تعالےٰ پر افترا وبہتان کی جرأت نہیں کرسکتا۔

(۳) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی تیسری دلیل یہ ہے کہ آنحضور کی تعلیم وتربیت اور فیض صحبت سے آپ پر ایمان لانے والوں اور آپ کو دیکھنے والوں کی بہت ہی قلیل عرصہ میں کایا پلٹ ہوگئی آنحضور کی بعثت سے قبل لوگ فکری اخلاقی اور عملی اعتبار سے انتہائی پستی کی حالت میں تھے لیکن آنحضور کی خدمت میں آتے ہی وہ عقلی اخلاقی اور عملی ہر لحاظ سے اس مرتبہ اعلیٰ پر پہونچ گئے کہ جس کی نظیر انبیاء کے علاوہ اور کسی گروہ میں نہیں مل سکتی معمولی سی بات ہے کہ جو لوگ اونٹ چرانا بھی نہ جانتے تھے اُنھوں نے دُنیا کے بہت بڑے حصے پر نہایت عدل وانصاف اور اعلیٰ درجہ کی ہوشمندی کے ساتھ ایسی حکمرانی کی جسے مثالی حکمرانی سمجھا جاتا ہے ان کی تعداد بھی معمولی نہ تھی بلکہ ایک لاکھ سے زائد تھی اور یہ سب کچھ تیئیس ۲۳ سال کی قلیل مدت میں ہوگیا صحابہ کرام کے اخلاق وکردار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳) یہودی ہیں یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ یہ زہر کی گولی شکر لپیٹ کر کھلاتے ہیں یعنی پہلے آنحضور کی مدح وستائش کرکے پڑھنے والے کو اپنی بے تعصبی کا قائل کردیتے ہیں اس کے بعد کوئی لغو اور غلط اعتراض کردیتے ہیں ان کے اس فریب سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ منہ۔

کی بلندی و پاکیزگی اور اُن کی ذہنی و عقلی فوقیت کو غیر مسلم محققین و فضلار بھی تسلیم کرتے ہیں اور اسے ایک حیرت انگیز واقعہ بلکہ آنحضور کا ایک معجزہ سمجھتے ہیں اگر معاذاللہ آنحضور کا دعویٰ نبوت غلط ہوتا تو آنحضرت کے شاگردوں کا کردار کبھی ایسا بلند و پاکیزہ نہ ہوتا بالکل بدیہی بات ہے کہ استاد کا کمال شاگردوں میں دیکھا جاتا ہے وہی معلم قابل و لائق سمجھا جاتا ہے جس کے شاگرد قابل و لائق ہوں خصوصاً جب ایک ہی استاد سے اُنھوں نے تعلیم و تربیت حاصل کی ہو یہ آنحضور کا وہ معجزہ ہے جسے دشمنان اسلام بھی معجزہ تسلیم کرتے پر مجبور ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے دلائل تو اور بھی ہیں لیکن حق پسند اور جویائے حق و صداقت کے لئے اتنا ہی کافی بلکہ درجہ کفایت سے زائد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان :-

آپ پڑھ چکے ہیں کہ نبی اور رسول انھیں ہستیوں کو کہتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی گویا ہر نبی پر وحی تو ضرور نازل ہوئی لیکن بعض انبیار پر ایک پوری کتاب بطور وحی نازل ہوئی اور بعض پر کتاب نہیں نازل فرمائی گئی۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر بھی ایمان ہو یعنی اس واقعہ کا پختہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں اپنے نبیوں اور رسولوں پر نازل فرمائی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور اُنھیں کا کلام ہے اور اس کا ایک ایک حرف سچا ہے ایسے انبیار علیہم السلام بکثرت ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں نازل فرمائیں لیکن بعض کتابیں دنیا سے ایسی ناپید ہوگئیں کہ اُن کے متعلق نہ ہمیں

اب کوئی علم ہے نہ اُن کے علم کا کوئی ذریعہ باقی ہے ان میں سے مندرجہ ذیل کتابیں معروف و مشہور ہیں۔

(۱) صحف ابراہیم علیہ السلام۔ یعنی وہ صحیفے یا نوشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے ان کا کوئی مخصوص نام نہیں ملتا۔ نہ یہ صحیفے کہیں ملتے ہیں۔

(۲) توراۃ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

(۳) زبور یہ حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

(۴) انجیل۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

ان تینوں کا مجموعہ آج کل بائیبل کے نام سے مشہور ہے مگر یہ نام عیسائیوں نے رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے مذکورہ بالا نام رکھے تھے۔

(۵) قرآن مجید۔ جو ہمارے نبی کریم افضل الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

یہ چار کتابیں اس وقت دُنیا میں مشہور و معروف ہیں۔ لیکن توراۃ انجیل اور زبور میں تحریف ہو چکی ہے یعنی بنو اسرائیل کے ملحد لوگوں نے ان میں تبدیلیاں کردی ہیں بعض آیتیں نکال دیں بعض مقامات پر الفاظ میں کمی بیشی کردی کہیں الفاظ بدل دیئے کہیں بعض الفاظ کا اضافہ کردیا یہ کام خود یہود نے کئے اور غالباً بعض دوسرے لوگوں نے بھی جو بنو اسرائیل پر مسلط ہو گئے تھے اور اُن کے سخت دشمن تھے یہ کتابیں مدت دراز تک دُنیا سے ناپید رہیں بہت مدت کے بعد ان کے کچھ نسخے ملے جو ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے اور ایسا کوئی ذریعہ نہ تھا جس

سے یقینی کیا ظنی ہی طور پر یہ معلوم ہوجاتا کہ اصل نسخہ کون ہے؟ آج دنیا میں
ان کتابوں کا اصل نسخہ بالکل معدوم ہے صرف ان کے ترجمے ملتے ہیں جو بہت
مختلف ہیں اور جن کے بیانات میں شدید اختلاف بلکہ تناقض پایا جاتا ہے اصل
نسخہ کے نام سے عبرانی زبان میں بائبل کے جو نسخے پائے جاتے ہیں ان میں بھی
شدید اختلاف ہے اور مکڑی کے جالے کے برابر بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ
یہ وہی کتابیں ہیں جو مذکورہ بالا انبیاء پر نازل ہوئی تھیں۔ اس لئے ہمیں یہ
عقیدہ رکھنا چاہیے کہ بے شک توراۃ انجیل زبور اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں لیکن
اللہ کے کلام میں لوگوں نے تبدیلیاں اور تحریفیں کردی ہیں اس لئے ان کے موجودہ
نسخوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور اُن کی ہر آیت کو متعین طور پر اللہ کی نازل
کی ہوئی آیت نہیں کہا جاسکتا البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض آیتیں اصلی
ہوں مگر ہم انہیں متعین نہیں کرسکتے اس لئے ہم ان کی شان میں بے ادبی بھی
نہیں کرتے لیکن ان کے مضامین کو صحیح اور منجانب اللہ بھی نہیں سمجھتے اس کے
ساتھ سب آیتوں کی تکذیب بھی نہیں کرتے البتہ اُن کے بعض مضامین ایسے ہیں۔
جن کے متعلق ہمیں یقین ہے کہ وہ غلط ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں
ہیں۔ بلکہ تحریف کرنے والوں اور ملحدوں نے درج کردیئے ہیں۔

قرآن مجید پر ایمان :-

ان سب کتابوں میں صرف قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو یقینی اور قطعی طور پر
بالکل محفوظ ہے ہم پختہ اور کامل یقین و ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالےٰ کی
کتاب اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یعنی اس کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے ہیں اور معنی بھی

اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت عالیہ ہے جسے ہمارے سامنے
ظاہر فرمایا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے یعنی اس کے بعد نہ کوئی کتاب
نازل ہوئی اور نہ قیامت تک نازل ہو گی جو شخص اس کے بعد کسی کلام یا کتاب
کے متعلق یہ دعویٰ کرے کہ وہ اللہ تعالےٰ کا کلام یا ان کی کتاب ہے وہ جھوٹا اور
اسلام سے خارج ہے۔ قرآن مجید ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا
کر کے نازل ہوا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے مقدس زمانہ میں قلمبند ہو گیا
خود آنحضور فرما دیا کرتے تھے کہ فلاں آیت فلاں آیت کے بعد یا قبل لکھو۔ یا فلاں
سورت کے قبل یا بعد تحریر کر دو گویا آنحضور نے خود ہی اس کے لکھوانے کا اہتمام
فرمایا اور آیت وغیرہ کے درمیان ترتیب خود ہی بحکم الٰہی مقرر فرمائی۔

حفاظت قرآن کا الٰہی انتظام :-

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی اسکی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور
ایفاء وعدہ کے ظاہری اسباب بھی پیدا فرما دئے دُنیا کی کسی آسمانی کتاب کو یہ اسباب
میسر نہیں ہوئے جو قرآن مجید کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے۔ آج ہم پورے
یقین اور وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ وہی قرآن مجید ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ مسیحی یا یہودی یا اور کسی مذہب کا کوئی پیرو اپنی کتاب
کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہمارا یہ عقیدہ اور دعویٰ ایسا ہے کہ مخالفین اسلام
بھی اسے تسلیم کرتے ہیں اور عیسائی یہودی ہندو وغیرہ ہر مذہب کے پیرو اگرچہ
اس کے کتاب الٰہی ہونے کا اقرار نہیں کرتے مگر اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ بعینہٖ
وہی کتاب ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو عطا کی تھی وہ اس اقرار پر

مجبور ہیں کیونکہ یہ حقیقت بالکل بدیہی اور اتنی روشن ہے جس کا انکار ایسا ہی ہے جیسے روزِ روشن میں آفتاب کا انکار۔ ایک لمحہ کے لئے اس مسئلہ کی طرف متوجہ ہو جائیے کہ قرآن مجید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک کس طرح پہونچا تو اس حقیقت کا روشن چہرہ سامنے آجائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کی جتنی آیتیں نازل ہوتی تھیں وہ سب آنحضور لکھوا دیتے تھے اور صحابہ کرام انھیں یاد کرتے تھے بلکہ بعض لکھ بھی لیتے تھے۔ ان صحابہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی۔ اس طرح پورا قرآن مجید آنحضور سے ہزاروں آدمیوں نے سُنا سیکھا یاد کیا اور سیکڑوں نے لکھ بھی لیا۔ آنحضور جب دُنیا سے تشریف لے گئے ہیں تو ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام کو قرآن مجید خود پڑھا کر اور یاد کرا کر تشریف لے گئے تھے۔ یہ تو صرف صحابہ کرام کی تعداد تھی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن مجید حاصل کیا تھا لیکن ان سے بہت زائد تعداد ان لوگوں کی تھی جو آنحضور کے زمانۂ حیات میں مشرف باسلام تو ہو چکے تھے لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و ملاقات اُنہیں نہیں نصیب ہوئی۔ اُنھوں نے بھی آنحضور ہی کے مبارک زمانہ میں قرآن مجید محفوظ کر لیا تھا گویا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لاکھوں عقیدتمندوں کے سینوں اور ہزاروں سفینوں نے اس باعظمت کتاب کو کامل حفاظت کے ساتھ نقل کیا اور ان کے بعد نقل اور محفوظ کرنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی رہی۔ چنانچہ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کروڑوں کی تعداد میں ایسے مسلمان موجود ہیں جو پورے قرآن کریم کے حافظ ہیں۔ ان میں بچے بھی ہیں جوان بھی اور بوڑھے بھی

اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد شامل ہیں۔ اسی طرح قرآن حکیم کے کروڑوں بلکہ اربوں نسخے دنیا میں موجود ہیں جو مختلف مطابع بلکہ مختلف ممالک میں طبع ہوئے لیکن ان میں ایک حرف بلکہ ایک شوشہ کا بھی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ مختصر یہ کہ قرآن مجید کے نقل کرنے والوں کی تعداد اتنی ہے کہ اس سے بدیہی طور پر ہر شخص کو اس بات کا یقین واطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ وہی قرآن مجید ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا اور پڑھایا تھا اس میں ایک حرف اور ایک شوشے کی بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ کمی بیشی، بے ترتیبی وغیرہ ہر قسم کی تبدیلیوں اور تغیرات سے بالکل پاک اور محفوظ ہے کسی بات کے اس طرح منقول ہونے کو اصطلاحاً تواتر کہتے ہیں۔ اس سے علم الیقین بدیہی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ کسی استدلال کی ضرورت نہیں ہوتی جس طرح کوئی شخص خواہ مُسلم ہو یا غیر مُسلم اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ "مکہ" نام کا ایک شہر عرب میں موجود ہے۔ ہر شخص خواہ وہ اسلام کا کوئی سخت ترین دُشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اس واقعہ کا پورا یقین رکھتا ہے کہ "مکہ" کا وجود ہے یہ یقین ایسا ہی ہوتا ہے جیسا اسے خود اپنے شہر کے وجود کا یقین ہوتا ہے یعنی بالکل بدیہی جس میں کسی استدلال کی حاجت نہیں ہوتی۔

اسی طرح کوئی شخص خواہ وہ دُشمن اسلام ہی کیوں نہ ہو اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ کہ یہ قرآن مجید جو آج مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہے بعینہٖ وہی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں دیا تھا اس میں ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر بھی نہیں ہوا حفاظت قرآن کے جو اسباب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیئے ان میں سے صرف مندرجہ بالا سبب ہی حصول مقصد کے لئے کافی تھا لیکن حق تعالیٰ جل شانہٗ اسے

شک و ریب سے بالاتر رکھنے کی اور صورتیں بھی پیدا فرما دیں ایک تو یہ کہ قرآن مجید کے یاد کرنے اور اسے محفوظ رکھنے کی تاکید فرمائی کم از کم اتنا قرآن کریم یاد کرنا جس سے نماز صحیح ہو سکے ہر مسلمان پر فرض عین قرار دیا اور پورا قرآن مجید حفظ کرنے کو ہر بستی کے مسلمانوں پر فرض علی الکفایۃ کا درجہ دیا اگر کسی بستی میں جس میں مسلمانوں کی تعداد معتد بہ ہو کوئی حافظ نہ ہو تو سب باشندے گنہ گار ہوں گے حفظ قرآن کے فضائل بیان فرما کر حفاظ کے لیے آخرت میں بہت بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا گیا سوسائٹی میں حفاظ کا درجہ غیر حفاظ سے بلند و برتر رکھا گیا، پانچوں وقت کی نمازوں میں قرأت قرآن کو فرض قرار دیا گیا تراویح میں پورا قرآن مجید پڑھنے کی ترغیب تاکید کے ساتھ دی گئی اور مسلمانوں کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا گیا کہ اللہ کی کتاب ان کا سب سے بڑا سرمایہ ہے جس کی حفاظت جان آبرو مال اہل و عیال سب کی حفاظت پر مقدم اور سب سے اہم تر ہے۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن حضرات کو کتاب مبین کا امین بنا کر گئے تھے اُن کی زندگی کس قدر پاکیزہ اور مطہر تھی اور اُنھوں نے اس کتاب مبین کو حرز جان بنا کر اس کی حفاظت و اشاعت کو اپنا مقصد حیات بنالیا تھا۔ مزید برآں یہ کہ آنحضورؐ کے بعد معًا سلطنت و حکومت اُنہیں حضرات کے ہاتھوں میں آگئی جن کی پوری زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی اور جنہوں نے سلطنت و حکومت کا مقصد بھی کتاب اللہ کی حفاظت و اشاعت کو قرار دیا تھا اور اس کے حصول کے لئے حفاظت کے پورے ذرائع استعمال فرمائے۔ ان کے

بعد سے آج تک کہیں نہ کہیں اقتدار متبعین صحابہ مسلمانوں کے پاس رہا ان خلفاءُ وسلاطین نے بھی قرآن مجید کی حفاظت واشاعت ہمیشہ پیش نظر رکھی۔ یہ بھی دیکھنے والی بات ہے کہ نزول قرآن کے بعد سے کتابوں کی حفاظت و اشاعت کے ذرائع بھی برابر بڑھتے رہے کاغذ ایجاد ہوا کاتبوں کی تعداد بڑھی دُنیا کے علمی ذوق نے ترقی کی خصوصاً مسلمانوں کا علمی ذوق تو آنحضور کی بعثت ہوتے ہی یکایک نہایت شدت وقوت کے ساتھ بلند و نمایاں ہوگیا کچھ ہی مدت کے بعد پریس وجود میں آگیا اور حفاظت واشاعت میں مزید سہولت پیدا ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ اس طرح پورا ہوا کہ اس کی حفاظت کے ظاہری اسباب بکثرت پیدا فرما دیئے گئے اور مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے دلوں کو بھی اس کی حفاظت کی طرف متوجہ کردیا گیا۔

ان روشن اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط دلائل و براہین کی بنا پر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جو قرآن مجید آج ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اور جسے ہم پڑھتے ہیں۔ بلاکم وکاست اور بغیر کسی اضافہ و زیادتی کے بعینہٖ وہی ہے جو نبیؑ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور جو آپ نے صحابہ کرام کو سُنایا اور پڑھایا اس میں نہ کوئی زیادتی ہوئی ہے نہ کمی اور نہ کوئی تبدیلی بالفاظ مختصر یہ تحریف سے بالکل پاک ہے جو شخص اس میں تحریف کا قائل ہو وہ اسلام سے خارج ہے کیونکہ تحریف کا عقیدہ رکھنا کُھلا ہوا کفر ہے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں ایک لفظ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دوسرے کا نہیں اس میں ایک ایک

حرف حرف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی مخلوق کے کلام کی اس میں کوئی آمیزش نہیں ہے ہم دلائل نبوت محمدی کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں جس شخص کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا اس عقیدے میں شک یا انکار کفر صریح ہے۔

ملائکہ یعنی فرشتوں پر ایمان :۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی ایک مخلوق ہے جس کا اصل مسکن آسمان ہے جو عالم آخرت میں داخل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر بھی آتی جاتی ہے ان میں سے ہر ایک کو مَلَک کہتے ہیں جس کی جمع ملائکہ ہے۔ قرآن مجید کا بیان اور انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ بندے نورانی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی شکل وصورت اور ان کے اعضا کی ایسی چیز سے بنائے ہیں جو مادہ (MATTER) نہیں ہے اور جسے ہمارے دنیاوی اجسام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ کیا چیز ہے ؟ ہم نہیں جانتے۔ لیکن اتنا جانتے ہیں وہ بھی جسم رکھتے ہیں اُن کے پر بھی ہوتے ہیں جس سے وہ اُڑتے ہیں ان کی تعداد بھی مختلف ہوتی ہے لیکن وہ اس مادے کے بنے ہوئے نہیں ہوتے جس سے دُنیا کے اجسام بنائے گئے ہیں۔ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ نہ مرد ہیں نہ عورت اور اس قسم کے جذبات ومیلانات سے بالکل پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اطاعت و فرمانبرداری ان کی فطرت اور اُنکی غذا ہے۔ وہ معصوم ہوتے ہیں یعنی کوئی غلطی یا معصیت ونافرمانی ان سے سرزد نہیں ہوسکتی۔ ان میں گناہ کا مادہ موجود نہیں ہوتا نہ معصیت کی طرف ان کا میلان ہوسکتا ہے۔ وہ عقل وفہم رکھتے ہیں۔ سمجھتے ہیں

سُنتے ہیں، دیکھتے ہیں چلتے پھرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت سی ایسی قوتیں اور صلاحیتیں پیدا کی ہیں جو ہم میں نہیں ہیں اور جن کی طرف نظر کرکے عقل ششدر ہو جاتی ہے۔ مثلاً وہ ہماری آنکھوں کے سامنے اس طرح آسکتے ہیں کہ ہم انھیں نہیں دیکھ سکتے مگر وہ ہمیں دیکھتے ہیں اسی طرح ایک لمحہ میں زمین سے آفتاب یا کسی سیارے تک پہونچ سکتے ہیں وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جس طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سپرد دین اسلام کی تبلیغ و ترویج فرمائی ہے اسی طرح کارخانۂ عالم کے بہت سے کام فرشتوں کے سپرد فرمائے ہیں جو بحکم الٰہی انھیں انجام دیتے ہیں۔ ملائکہ کی تعداد بہت ہے اور ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے مُقرب بندے ہیں لیکن ان سب میں چار فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سب سے زیادہ مُقرب ہیں اور سب فرشتوں سے بلند تر درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے نام اور مخصوص کام درج ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت جبرئیل علیہ السلام:۔ ان کا خاص کام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی لانا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ کام ختم ہو گیا۔

(۲) حضرت اسرافیل علیہ السلام:۔ یہ منہ میں صور قیامت لئے ہوئے کھڑے ہیں اور حق تعالیٰ کے حکم کے منتظر ہیں۔ قیامت کی ابتداء ان کے صور پھونکنے سے ہو گی۔

(۳) حضرت میکائیل علیہ السلام:۔ یہ تقسیم رزق پر مقرر ہیں بارش کا

انتظام بھی انہیں کے سپرد ہے

(۴) حضرت عزرائیل علیہ السلام :۔ یہ روح قبض کرنے اور جان نکالنے پر مقرر ہیں گویا مخلوق کے مرنے کا انتظام اُن کے سپرد ہے ۔

ان چاروں فرشتوں کے ماتحت لاکھوں کروڑوں فرشتے ہیں جن سے یہ کام لیتے ہیں ۔ مثلاً حضرت عزرائیل علیہ السلام ہر شخص کی روح قبض کرنے خود نہیں تشریف لے جاتے بلکہ ان کے ماتحت فرشتے یہ کام انجام دیتے رہتے ہیں۔ خاص خاص مواقع پر خود بھی تشریف لے جاتے ہیں ۔

اس موقعے پر دو باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے :۔

اوّل :۔ یہ کہ خود نظام عالم میں کسی کام یا کسی انتظام کو فرشتوں کے سپرد کر دینے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات ان کی طرف منتقل کر دیئے ہیں۔ ایسا سمجھنا شرک اور گمراہی ہے بلکہ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نظام عالم کا تعلق ظاہری اسباب سے قائم کیا ہے اور یہاں جو واقعات و حوادث ہوتے ہیں ان کا کوئی ظاہری سبب ہوتا ہے اور پھر اس سبب کا بھی کوئی سبب ہوتا ہے یہاں تک کہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر ختم ہوتا ہے یعنی آخر میں یہ ماننا پڑتا ہے کہ فلاں آخری سبب کا وجود محض حکم الٰہی سے ہوا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حوادث عالم کے لئے ظاہری و مادی اسباب کے پہلو بہ پہلو مخفی وروحانی اسباب بھی پیدا کئے ہیں۔ اور یہ اسباب وہی فرشتے ہیں جو ان کاموں کو ظاہری و مادی اسباب کے پہلو بہ پہلو انجام دیتے ہیں۔ مثلاً بارش ہوتی ہے۔ اس کا مادی اور ظاہری سبب یہ ہے کہ سمندر سے بخارات اُٹھتے

ہیں جو ہوا کے سرد طبقہ میں جا کر پانی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جو وہاں موجود ذرات سے وابستہ ہو کر قطرات کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور وزن بڑھ جانے کی وجہ سے نیچے کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سبب و مسبب کے اس مادی نظام کے متوازی غیر مادی اسباب کا بھی ایک نظام قائم ہے۔ یعنی سمندر کے پانی کو بخارات میں تبدیل کرنا اُنھیں اُوپر اُٹھانا اُنھیں پھر پانی کی صورت میں بدلنا، پھر قطروں کی شکل میں اُنھیں جمع کر کے زمین پر گرانا ابر کو دوش ہوا پر اِدھر سے اُدھر لے جانا ان سب کاموں پر فرشتے بھی مقرر ہیں اور وہ یہ سب کام بحکم الٰہی انجام دیتے رہتے ہیں۔ ان دونوں میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے۔ دونوں طرح کے سبب ایک ساتھ پائے جا سکتے ہیں اور پائے جاتے ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ بارش کا انتظام فرشتوں نے کیا تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ ہم بارش کے طبعی اور مادی اسباب کا انکار کر رہے ہیں بلکہ اُنھیں صحیح تسلیم کرتے ہوئے بھی ہم کہتے ہیں کہ ان کے پس پردہ فرشتے بھی یہ کام کر رہے ہیں۔

بطور مثال ایک پھانسی پانے والے مُجرم کا معاملہ لے لیجیے۔ اگر آپ کسی ڈاکٹر سے پوچھیں کہ اس کی موت کا سبب کیا ہوا تو وہ جواب دے گا کہ پھانسی کے پھندے کی وجہ سے دم گھٹ گیا اور حرکت قلب رُک گئی اس لیے موت واقع ہو گئی یہی سوال کسی وکیل سے کیجیے اس کا جواب یہ ہوگا کہ جج نے اُسے سزائے موت دی تھی اس لیے وہ مر گیا۔ دونوں جواب اپنی جگہ صحیح ہیں اس لئے کہ اس کی موت میں دونوں سبب شریک تھے۔ اگر جج سزائے موت کا حکم نہ دیتا تو اسے پھانسی کیوں

دی جاتی ؟ اور پھانسی نہ دی جاتی تو وہ مرتا ہی کیوں ؟

اسی طرح حوادث عالم کے مادی وظاہری اسباب کے پہلو بہ پہلو روحانی اور مخفی اسباب کا بھی ایک سلسلہ جاری ہے ۔ لیکن ان کاموں کو فرشتے انجام دیتے ہیں ۔ لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ ہم مادی اور ظاہری اسباب کی نفی کرتے ہیں ۔ وہ اپنی جگہ کام کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اُنھیں کے حکم سے کام کرتے ہیں ۔ نظام عالم کے بعض کاموں کو فرشتوں کے سپرد کرنے کے معنی صرف اتنے ہیں کہ ظاہری مادّی اسباب کی طرح وہ بھی حوادث اور واقعات کا سبب بنتے ہیں پھر جس طرح ظاہری اسباب بغیر حکم الٰہی کوئی اثر نہیں پیدا کر سکتے اسی طرح فرشتے بھی بغیر حکم الٰہی کچھ نہیں کر سکتے ۔ وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتے نہ کر سکتے ہیں بلکہ اگر ایک ذرہ کو بھی حرکت دینا ہو تو اس کے لئے اُنھیں حکم الٰہی کی حاجت ہوتی ہے ان کی شان یہ ہے :۔

وَلَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ	وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے
وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ	اور وہی کام کرتے ہیں جس کا اُنھیں حکم دیا جاتا ہے ۔

عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے ۔ یہ اسباب خواہ ظاہری ہوں یا مخفی اور غیر مادی خود موثر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے انکا اثر ظاہر ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات کسی کی طرف منتقل نہیں کئے نہ کسی فرشتے کی طرف نہ کسی نبی یا ولی یا اور کسی کی طرف ۔ سب اختیار اللہ تعالےٰ ہی کو ہے ۔ وہی ہر چیز کے مالک وخالق اور ساری کائنات کے "رب" ہیں ان کے

سوا کوئی رب نہیں۔

دوم :۔ یہ کہ فرشتوں کا وجود قرآن مجید، احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔ اور اہلسنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ فرشتوں کا وجود ہے اور وہ ویسے ہی ہیں جیسا کہ اوپر کی سطروں میں بیان کیا گیا ہے۔ اس بارے میں شک وشبہ کرنا کفر ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا قرآن مجید اور احادیث کو جھٹلانے کے مرادف ہے۔ بائبل میں بھی فرشتوں کا تذکرہ ہے۔ اور یہود ومسیحی بھی ان کے وجود کے قائل ہیں۔ بیشک ان کی حقیقت ہمیں نہیں معلوم مگر کیا ہر وہ چیز جس کے وجود کو ہم جانتے ہیں، اس کی حقیقت سے ہم واقف ہوتے ہیں؟ مثلاً ایٹم کی حقیقت ہم نہیں جانتے کیونکہ بڑی سے بڑی طاقت کی خوردبین سے بھی اسے دیکھنا ممکن نہیں لیکن ہم اس کے وجود کے قائل ہیں اور اس کا انکار کون کرسکتا ہے؟

تنبیہ :۔ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق "جن" کے نام سے بھی موسوم ہے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جنوں کو اللہ تعالیٰ کے آگ سے اور بعض کو بہت گرم ہوا سے پیدا کیا ہے۔ انسانوں کی طرح ان میں بھی بہت سی قومیں اور نسلیں ہیں ان میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔ مومن بھی کافر بھی۔ ابلیس یعنی شیطان بھی "جن" کی نوع سے ہے۔ اور وہ جن جو اس کے پیرو ہیں وہ سب شیطان کہلاتے ہیں۔ جس کی جمع شیاطین ہے۔ شیطان میں شر ہی شر ہے بھلائی کی کوئی بات نہیں وہ انسانوں کا دُشمن ہے اور یہ چاہتا ہے کہ سب کو گمراہ کردے تاکہ سب جہنم میں پہونچ جائیں وہ گناہ اور بُرائیوں کی ترغیب دیتا ہے اور انسان کی آزمائش کے لئے شیاطین کو ایسی طاقتیں دی گئی ہیں جو انسان کو حاصل نہیں۔ مثلاً وہ ہمیں

اس طرح دیکھ سکتے ہیں کہ خود ہمیں نہ دکھائی دیں۔ خواہ سامنے ہی کھڑے ہوں وہ بغیر اس کے کہ ہمارے جسم کو چھوئیں ہمارے جذبات و میلانات پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ اور خیالات اور وسوسے ہمارے ذہن میں پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ صرف ترغیب دے سکتے ہیں کسی گناہ پر مجبور نہیں کر سکتے۔ گناہ آدمی اپنے اختیار ہی سے کرتا ہے۔ سہولت فہم کے لئے بطور مثال ہم مٹھائی یا پھلوں کی دوکان پیش کر سکتے ہیں۔ دوکاندار یہ تو کر سکتا ہے کہ مٹھائیوں یا پھلوں کو بہت خوبصورتی اور سلیقہ کے ساتھ سجا کر شوکیس میں رکھے تاکہ آنے والے اس کی طرف راغب ہوں۔ لیکن رغبت پیدا کرنے سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ کسی کو زبردستی خریداری پر مجبور کر دینا اس کی طاقت سے باہر ہے

مسلمان جنوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی قسم کی محیرالعقول قوتیں عطا فرمائی ہیں اور انسانوں کی طرح ان میں بھی بعض صالح افراد ہوتے ہیں اور بعض شریر اور فاسق انسانوں کی طرح جن بھی اُمت میں داخل ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انسانوں اور جنوں دونوں کی طرف ہوئی ہے اور قرآن مجید میں دونوں کے متعلق احکام بیان فرمائے گئے ہیں بہت سے جن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئے۔ جن کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے اور حدیث میں بھی شیطان کا تذکرہ تو قرآن و حدیث میں بکثرت و تکرار ہے اس لئے جن و شیطان کے وجود کا یقین رکھنا لازم ہے۔ کیونکہ اُن کے وجود کے انکار کے معنی یہ ہیں کہ منکر قرآن مجید اور احادیث کو جھٹلاتا ہے جو کفر ہے۔

قیامت اور آخرت

مرنا ایک واضح حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہر شخص جانتا ہے کہ موت ناگزیر ہے ہم جانتے ہیں کہ دُنیا میں روزانہ لاکھوں آدمی مرتے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ اس وقت سے جاری ہے جب سے دُنیا میں انسان کا وجود ہوا. ان مشاہدات کی وجہ سے یہ سوال فطری طور پر ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کہاں چلے جاتے ہیں؟ جسم کو تو ہم دیکھتے ہیں وہ گل سڑ کر خاک میں ملجاتا ہے لیکن آدمی صرف جسم کا نام تو نہیں بعض اوقات آدمی کسی شدید ناگہانی رنج سے مر جاتا ہے یا یکایک حد سے زائد خوش ہوجانے سے موت واقع ہوجاتی ہے جسے شادی مرگ کہتے ہیں۔ ان حالات میں اس کا جسم بالکل صحیح وسالم ہوتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ وہ حس وحرکت اور زندگی کے جملہ آثار سے محروم ہوجاتا ہے؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ جسم مادی اصل چیز نہیں ہے بلکہ ایک دوسری چیز اصل ہے جس کے فقدان سے یہ جسم بالکل بیکار ہوجاتا ہے اسی چیز کا نام "روح" ہے انسان درحقیقت اسی روح کا نام ہے اسے پیش نظر رکھئے تو سوال مذکور اس نئے عنوان سے سامنے آتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی روح پر کیا گذرتی ہے؟ آیا وہ فنا ہوجاتی ہے یا باقی رہتی ہے؟ اگر باقی رہتی ہے تو کہاں رہتی ہے؟ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ جس سے چھٹکارا حاصل کرنا ناممکن ہے. ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ مجھے مرنا ہے اس یقین کے بعد یہ سوال پیدا ہونا لازم ہے کہ بعد از مرگ مجھے کہاں جانا ہے؟ اور مجھ پر

کیا گذرے گی ؟ کوئی سمجھدار آدمی اس مسئلہ کو نظر انداز نہیں کر سکتا وہ اس کے بارے میں سوچنے پر فطرتاً مجبور ہے لیکن اس پر غور کرنے سے پہلے اس بات پر غور کر لینا چاہیے کہ یہ ہمارے سوچنے سے حل بھی ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ بالفاظ دیگر ناخن عقل سے اس عقدہ کو کھولنا ممکن بھی ہے یا نہیں ؟ آیئے پہلے اسی کو سوچیں۔ ہاں ! یہ بھی یاد رکھیے کہ یہ مسئلہ بہت اہم ہے اور تخمینی وظنی حل ہمیں مطمئن نہیں کر سکتا ہماری عقل وفطرت کا مطالبہ یہی ہے کہ کوئی قطعی اور یقینی بات معلوم ہو۔ جس میں شک وشبہ کا شائبہ بھی نہ ہو اس کے بغیر نہ ہماری عقل مطمئن ہو سکتی ہے نہ فطرت اور نہ ہمارے دل کو سکون حاصل ہو سکتا ہے مثال کے طور پر فرض کیجیے کہ آپ کو ایک شخص نے پکڑ کر ریل گاڑی میں بٹھا دیا اور یہ نہیں بتایا کہ وہ آپ کو کہاں اور کس لئے لے جا رہا ہے دوسرے مسافر آپ سے محض قیاساً کہتے ہیں ممکن ہے لاہور لے جا رہا ہو ؟ اور وہاں لیجاکر آپ کو سرحد پار دھکیل دے ایک مسافر کہتا ہے شاید یہ ہم لوگوں کو کسی بیگار کیمپ میں لے جا رہا ہے دوسرا بولا شاید ملتان کا ارادہ ہو وہاں ہمیں زمین دے کر آباد کرے گا اسی طرح کی بولیاں اور بھی آپ سنتے ہیں لیکن کیا ان میں کسی بات سے آپ مطمئن ہو جائیں گے ؟ یقیناً نہیں ہو سکتے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ عقل حواس کی پابند ہے اس کی رسائی اسی مقام تک ہو سکتی ہے جہاں تک حواس کی رسائی ہو سکتی ہے۔ پردۂ مرگ کے پیچھے ہماری رسائی غیر ممکن اور محال ہے اس دیوار کے پیچھے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ ادھر سے کوئی آواز آتی ہے جسے ہم سن سکیں۔ نہ سونگھنے قوت سے کام لے سکتے ہیں نہ اور کسی حاسہ کی وہاں رسائی ہے مختصر یہ کہ مانی ہوئی بات ہے کہ موت کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ ہمارے

حواس کی دسترس سے قطعاً باہر ہے۔ ایسی صورت میں ہماری عقل اس کے متعلق کیا فیصلہ کرسکتی ہے؟ اور ہماری رہنمائی کس طرح کرسکتی ہے؟ "او خویشتن گم است کرا رہبری کند" عقل کی اس نارسائی اور عاجزی کو پیش نظر رکھئے تو آپ کو اس کا نتیجۂ صریح بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسے "مابعد الموت" کے متعلق کسی فیصلہ کا حق نہیں وہ جس طرح کوئی ایجابی فیصلہ نہیں کرسکتی اسی طرح کوئی سلبی فیصلہ بھی نہیں کرسکتی۔ جس طرح یہ نہیں کہہ سکتی کہ مرنے کے بعد "یہ ہوتا ہے" اسی طرح یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ مرنے کے بعد "کچھ نہیں ہوتا۔" وہ اس معاملہ میں عاجز ہے تو اسے ساکت ہی رہنا چاہیے اس کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا مثلاً ایک بند مکان ہے جس کے متعلق کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ اس کے اندر کیا ہے۔ ایک شخص آپ سے آکر کہتا ہے کہ اس کے اندر ایک صندوق رکھا ہوا ہے آپ اس سے پہلا سوال یہ کریں گے کہ کیا تم اس کے اندر گئے تھے؟ اگر جواب نفی میں ہوگا تو آپ اس کی بات کو رد کردیں گے اور اس کا کوئی اعتبار نہ کریں گے۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ مکان بالکل خالی ہے اس میں کچھ نہیں ہے اس سے بھی آپ یہی پوچھیں گے کہ کیا تم نے اسے اندر سے دیکھا ہے؟ جواب نفی میں ملا تو آپ اس کی بات کو مہمل اور لغو کہیں گے اسی طرح عقل نہ یہ بتا سکتی ہے کہ موت کے بعد کیا ہے؟ اور نہ یہ دعویٰ کرسکتی ہے کہ اس کے بعد کچھ نہیں ہے۔

مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا نہ اس کی طرف سے آنکھیں بند کی جاسکتی ہیں۔ نظر انداز کرنا چاہیں تو ہماری فطرت اسے آنکھوں کے سامنے لے آتی ہے اور اسی کی طرف دیکھنے پر ہمیں مجبور کردیتی ہے۔

کہ ایسے امور کے متعلق جو ہماری عقل وفہم کی دسترس سے باہر ہوں علم حاصل کرنے کے لئے ہم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں؟ اس میں زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں ہماری زندگی اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے ہم اپنی تندرستی اور بیماری کے بارے میں ڈاکٹر اور طبیب پر اعتماد کرتے ہیں اور ان امور کے متعلق ہمارے علم کا ذریعہ انہیں کی اطلاعات اور خبریں ہوتی ہیں۔ ایٹم (ATOM) اور الکٹران (ELECTRON) ایسی چیزیں ہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ طاقت کی خوردبین سے بھی نظر نہیں آسکتیں۔ ان کا علم محض اُن کے بعض آثار و علامات کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور یہ علم بھی صرف چند چوٹی کے سائنس دانوں کو ہوتا ہے جنہیں بہت بڑے پیمانے کی تجربہ گاہ میسر ہوتی ہے ہم آپ ان کے متعلق تفصیلات کو صرف ان سائنس دانوں کے بیانات سے معلوم کرتے ہیں اور اُن پر اعتماد ہونے کی وجہ سے ان سب باتوں کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ چاند پر مہم بھیجنے کا قصہ ابھی چند روز کی بات ہے۔ اس خوبصورت کرہ کے متعلق جو معلومات ان مہم جو اور باہمت افراد نے فراہم کئے ہیں جو اس پر اُترے تھے آپ ان کی تصدیق کرتے ہیں اور اگر کوئی اس میں شبہ کرے تو اسے بیوقوف سمجھتے ہیں اس علم اور یقین کا ذریعہ آپ کے پاس سوا ان مشاہدین کے بیان کے کیا کچھ اور بھی ہے؟ مرنے کے بعد کچھ ہے یا نہیں؟ اس کا علم حاصل کرنے کے لئے ہمیں اسی فطری راستہ کو اختیار کرنا چاہیے یعنی سوچنا چاہیے کہ کیا کوئی ایسی قابل اعتماد شخصیت ہمیں مل سکتی ہے جس نے مابعد الموت کا تجربہ اور مشاہدہ کیا ہو اور وہ وثوق کے ساتھ ہمیں بتا سکے کہ پردۂ مرگ کے اُس طرف کچھ ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کیا ہے؟ کیا دُنیا میں ایسی کوئی شخصیت گذری

ہے جس نے اس تجربہ کا دعویٰ کیا ہو؟

ہماری یہ فطری طلب ہمیں اس مقام تک پہنچا دیتی ہے جہاں ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرور آواز سنائی دیتی ہے کہ ہاں میں نے مابعد الموت کا مشاہدہ کیا ہے میں اس کا علم صحیح اور یقین واضح رکھتا ہوں مجھ سے اس کا علم حاصل کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم آخرت کا مشاہدہ ایک بار نہیں بار بار فرمایا تھا۔ ان مشاہدات کی مختصر کیفیت دیکھیے۔

(الف) اللہ تعالیٰ کا کلام لے کر فرشتہ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضورؐ کی خدمت میں آتے تھے خود ان کا مسکن عالم آخرت ہی ہے اور وہ اسی عالم کی ایک مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی بارگاہ میں مقبول و محترم ہیں۔

(ب) ان کے علاوہ بھی فرشتے وقتاً فوقتاً آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

(ج) لیلۃ المعراج میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی سب آسمانوں کی سیر فرمائی اور جنت، دوزخ فرشتوں وغیرہ اس عالم کی اشیاء کا معائنہ فرمایا اسی عالم کا نام عالم آخرت ہے۔

(د) اسی عالم دنیا میں من جانب اللہ جنت و دوزخ کی تصویر دیوار مسجد پر نمایاں فرما کر حضور کو دکھائی گئی جیسا کہ بخاری شریف اور دوسری معتبر کتب حدیث میں مذکور اور مشہور ہے[1]۔ ان کے علاوہ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم آخرت

---

[1] ٹی وی (T.V) کی ایجاد کے بعد اس چیز کا سمجھ لینا بہت آسان ہو گیا ہے جنت دوزخ کی تصویر دیوار مسجد پر کھینچ جانا اگرچہ ٹی وی کی نوعیت کا نہیں تھا لیکن اس مثال سے اس واقعہ کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے

آنکھیں بند کر لیں تو حوادث و واقعات جبراً آنکھیں کھول دیتے ہیں فطرت سے سرکشی کریں اور واقعات و حوادث سے روگردانی کریں تو قلب اضطراب و کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے اور سکون و اطمینان اپنا مسکن چھوڑ کر دل کی طرف سے منہ پھیر لیتے ہیں[۱] خیال تو کیجئے۔ آپ کو کوئی شخص ریل گاڑی پر زبردستی بٹھا دے اور آپ کو اس سے اترنے کی قدرت نہ ہو گاڑی رواں دواں ہو اور آپ کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟ آپ کی منزل کیا ہے؟ اور کیسی ہے وہاں کا موسم کیسا ہے؟ غذائیں کیا ہیں؟ جن لوگوں سے واسطہ پڑے گا، ان کا برتاؤ آپ کے ساتھ کیا ہو گا؟ تو آپ کو کس قدر تشویش ہو گی اور سفر کا ہر لمحہ کس قدر اضطراب اور بے چینی کے ساتھ کٹے گا ہو سکتا ہے کہ خواب آور دواؤں سے آپ کو وقتی طور پر نیند آ جائے لیکن اس سے اصل مسئلہ تو حل نہیں

---

[۱] اس مسئلہ کا صحیح حل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے آج یورپ و امریکہ کے لوگ بلکہ دنیا کے جملہ غیر مسلمین اسی کش مکش میں مبتلا اور اطمینان قلب سے محروم ہیں۔ اس شدید تکلیف سے نجات حاصل کرنے کی تدبیر وہ لوگ یہ کرتے ہیں کہ شراب موسیقی وغیرہ غفلت انگیز چیزوں سے اعانت حاصل کر کے .... قلب کو غفلت کی چادر میں لپیٹ دیتے ہیں اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ "انسان عارضی طور پر محروم احساس ہو کر اس کانٹے کی چبھن کی مصیبت سے بچ جاتا ہے جیسے مخدر دوائیوں کے اثر سے آدمی کچھ دیر جراحت کی تکلیف سے بچا رہتا ہے لیکن تابہ کجا؟ ایک دن یہ مخدرات بھی بے اثر ہو جاتے ہیں اور بے اطمینانی پریشانی یاس اضطراب کا ہجوم ہو جاتا ہے اسے مسئلہ کا حل سمجھنا سخت غلطی ہے۔

ہو جاتا جب اس کا اثر زائل ہو گا تو پھر وہی جان گسل اضطراب رونما ہو گا۔

اگر ہم اپنے گوش ذہن غفلت و اعراض کی انگلیوں سے بند کر لیں اور اضطراب کے زخم پر کوئی سُن کرنے والا مرہم لگا دیں تو بھی عقل کا یہ شدید مطالبہ باقی رہے گا کہ اس مسئلہ کو حل کرنا لازم ہے فرض کیجیے کہ ایک بند کوٹھری ہے جس کا حال آپ کو معلوم نہیں اور اس میں جانا ناگزیر ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں سانپ اور بچھو ہوں یا کوئی زہریلی گیس اس فضا میں بھری ہوئی ہو۔ آپ سے کوئی یہ کہتا ہے کہ اپنی آنکھیں بند کر لیجئے اور کوٹھری میں چلے جائیے تاکہ خطرناک چیزیں آپ کو دکھائی نہ دیں۔ کیا آپ اس مشورے سے مطمئن ہو جائیں گے؟ آنکھیں بند کر لینے سے عین ممکن ہے کہ ایک وقتی سکون آپ کو حاصل ہو جائے وہ بھی کامل نہیں بلکہ ناقص لیکن چند لمحات کے بعد پھر وہی خوف و اضطراب اس کی جگہ لے لیگا۔ اس مثال سے سمجھ لیجئے کہ مرنے کے بعد کا مسئلہ کس قدر اہم اور پریشان کن ہے مرنے کے بعد کوئی واپس نہیں آتا وہ ایسی منزل ہے جس میں قدم رکھنے کے بعد پیچھے نہیں ہٹایا جا سکتا پھر وہاں جانا ناگزیر و لابدی۔ ایسی منزل کے متعلق بغیر علم صحیح کے ہمیں چین کیسے آ سکتا ہے؟ بقول مومن مرحوم ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

گویا چشم پوشی تو خارج از بحث ہے اور بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہو گئی کہ مابعد الموت کا حال معلوم کرنا اور یقینی طور پر معلوم کرنا واجب و لازم ہے۔ سوال صرف یہ رہے گا کہ اس کا علم کس طرح حاصل کیا جائے! اس مقصد کے پیش نظر ہمیں یہ دیکھنا چاہیے

کا مشاہدہ ہوتا رہتا تھا۔ مشاہدے سے قطع نظر خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام یعنی قرآن مجید میں عالم آخرت کے احوال بیان فرمائے ہیں اور اس کلام کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی فرمائی گئی اور وحی کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایک نوع کا مشاہدہ ہے کسی چیز کے وجود کا یقین کرنے کا جو فطری اور بہت ہی قریبی طریقہ ہے یعنی مشاہدہ اس سے عالم آخرت کا وجود ثابت ہے اس کے بعد اس کے بارے میں کسی شک وشبہ کی ادنیٰ سے ادنیٰ گنجائش بھی نہیں باقی رہتی۔

(۲) عقیدۂ آخرت کی صداقت کے لئے مندرجہ بالا دلیل کافی ہے لیکن تقویت مزید کے لئے دلیل مزید پیش کرتا ہوں اور وہ دوسرے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا مشاہدہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اللہ تعالیٰ کے آخری نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء مرسلین دنیا میں مبعوث ہوئے ان کی صحیح تعداد تو نہیں بتائی جا سکتی لیکن اتنا یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ وہ ہزاروں سے متجاوز ہے۔ اس بات پر دنیا کے عقلا کا اتفاق ہے کہ انبیاء نوع انسانی کے عاقل ترین افراد تھے اور ان کا اخلاق و کردار بہترین اور نوع بشر میں بلند ترین تھا ان میں سے ایک خاص تعداد کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے جس میں ان کی دانشمندی اور پاکیزگی سیرت و کردار کی مدح و ستائش بہت بلند الفاظ میں کی گئی ہے [1] ان سب حضرات انبیاء نے اپنے مشاہدے کی بنا پر اطلاع دی

---

[1] دنیا کی قوموں میں صرف یہود ایسے ہیں جنہوں نے تورات میں تحریف کر کے بعض انبیاء پر بہت گھناؤنے الزامات لگائے ہیں لیکن یہ ان کا بہتان اور جھوٹ ہے جو خود ان کی (باقی صفحہ ۸۸ پر)

ہے کہ اس عالم کے علاوہ ایک دوسرا عالم بھی ہے جسے عالم آخرت کہتے ہیں مرنے کے بعد انسان اسی عالم میں جاتا ہے۔ اور اسی عالم میں ہمیشہ رہے گا گویا عالم آخرت کا وجود ہزاروں بلکہ اس سے زائد عاقل ترین کامل ترین اور بلند ترین سیرت وکردار رکھنے والے انسانوں کے مشاہدے و تجربے سے ثابت ہے اس کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے اور بائبل میں بھی نیز عوام وخواص میں مشہور ہے اس کے باوجود اس میں شک کرنا ایسا ہی ہے جیسا کوئی شخص اپنی ناواقفیت کی بنا پر براعظم انٹارکٹکا اور اسکے تودہ ہائے برف، شدید سردی اور سخت طوفانی آندھیوں کا انکار کرکے مشاہدین کی تکذیب کرے۔ ایسا شخص یقیناً اول درجہ کا بیوقوف اور جاہل سمجھا جائے گا۔ اسی طرح آخرت کا انکار اور ہزاروں سچے مشاہدین کے مشاہدے کو نظر انداز کرنا ایسی ہی بلکہ اس سے بڑھ کر جہالت اور حماقت ہے۔ جو لوگ آخرت کے منکر ہیں ان کے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں ہے وہ اس عالم کے متعلق صرف اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں اور لاعلمی کوئی دلیل نہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اسکیمو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷) خباثت نفس کی علامت ہے انبیاء کی شان ان ناپاک الزاموں سے بہت بلند و برتر ہے یہود کے ان الزاموں کی تردید قرآن مجید نے خود واضح لفظوں میں فرمائی ہے اس قوم کا جھوٹ اسی بات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان مقدس ہستیوں پر ناپاک الزامات بھی لگاتے ہیں اور ان کی نبوت اور ان کے تقدس کے بھی قائل اور معتقد ہیں اس کے علاوہ سوا اس بدباطن گروہ کے دنیا کا کوئی گروہ ان حضرات پر یہ ناپاک الزامات نہیں لگاتا اور سب ان کی پاکبازی، تقدس اور بلند کرداری کے قائل ہیں اس لئے یہود کی یہ بکواس اس بات کی دلیل تو ہے کہ انھوں نے تورات میں تحریف کی ہے مگر انبیاء کے دامن تقدس پر اس سے کوئی دھبہ نہیں آتا۔

نام کی کوئی قوم موجود نہیں ہے کیونکہ ہم نے اسے نہیں دیکھا تو اسے ہر شخص ضدی اور بیوقوف کہے گا۔ اس سے بڑھ کر ضدا اور بے وقوفی یہ ہے کہ آدمی عالم آخرت کا انکار صرف اس وجہ سے کرے کہ اس نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا۔

عالم آخرت و قیامت کی تفصیل

عالم آخرت کا دروازہ موت ہے۔ مرنے کے بعد انسان جس عالم میں جاتا ہے وہ دُنیا کے لحاظ سے عالم آخرت ہے۔ کیونکہ وہ عالم دنیا کے بعد آتا ہے اور آخرت کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کے بعد آنے والی چیز، لیکن اصل عالم آخرت قیامت کے بعد شروع ہوگا۔ اس لئے اس کے اعتبار سے یہ عالم آخرت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کی روح جس عالم میں مقیم رہتی ہے اس کا اصطلاحی نام" عالم برزخ "ہے۔ کیونکہ" برزخ "کے معنی درمیانی چیز کے ہیں اور یہ دُنیا اور آخرت کے درمیان ہے اس لئے اسے "برزخ" کہتے ہیں۔ آخرت کے لحاظ سے گویا یہ دنیا ہے اور دُنیا کے اعتبار سے آخرت۔

قرآن مجید اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب موت کا وقت آتا ہے کہ تو فرشتے آکر روح کو جسم سے نکالتے ہیں ان فرشتوں کو مرنے والا (خواہ وہ مرنے والا انسان ہو یا جن) دیکھتا ہے۔ صالح مسلمان کی روح قبض کرنے جو فرشتے آتے ہیں ان کی صورت بہت نورانی ہوتی ہے انھیں دیکھ کر بندہ مومن کا جی خوش ہوجاتا ہے اور اسے سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ یہ فرشتے اسے جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی

کی خوشخبری بھی سُناتے ہیں جس سے اسے اور بھی مسرت وشادمانی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق شدت اختیار کرتا ہے اور اس کی روح اسی جذبہ شوق و ذوق سے سرشار ہوکر خود بخود جسم سے باہر آجاتی ہے۔ جسے فرشتے بہت احترام کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لے کر آسمان کی طرف اور پھر وہاں سے اس کی قبر کی طرف لیجاتے ہیں۔ قبر میں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جن میں سے ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر ہے۔ یہ دونوں اس سے تین سوالات کرتے ہیں۔ جن کے صحیح جوابات بندہ مومن دیتا ہے۔ پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ تیرا "رب" (پروردگار اور حاجتیں پوری کرنے والا) کون ہے؟ یعنی تو کسے اپنا "رب" سمجھتا تھا اور کس سے حاجتیں مانگتا تھا۔ بندہ مومن اس کا جواب دیتا ہے کہ میرا "رب" اللہ ہے دوسرا یہ ہوتا ہے کہ تیرا "دین" کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین "اسلام" ہے۔ پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ کون ہیں؟ اور اُن کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟ وہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اُن کے رسول ہیں، جنہوں نے ہمیں ہدایت فرمائی اور سچا دین سکھایا۔ ان صحیح جوابات کو سُننے کے بعد وہ ایک کھڑکی کھول کر اسے جہنم کا ہیبت ناک منظر دکھاتے ہیں جسے دیکھ وہ کانپ اُٹھتا ہے اس پر وہ کہتے ہیں کہ اگر ان سوالات کا صحیح جواب نہ دیتے تو (یعنی کافر ہوتے) تو تمہارا ٹھکانا قیامت کے بعد یہ ہوتا (یعنی جہنم) اب وہ اس کھڑکی کو بند کرکے اور دوسری کھڑکی کھول کر اسے جنت کا فرحت انگیز منظر دکھاتے ہیں جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ وہ اس کی خوشی میں ہزاروں گنا اضافہ اس خوشخبری سے کردیتے ہیں کہ قیامت کے

بعد اب تمہارا ٹھکانا یہ ہوگا۔ یعنی تم جنت میں جاؤگے۔ یہ مژدۂ جانفزا سننے کے بعد بندۂ مومن کا جی چاہتا ہے کہ فوراً جنت میں پہونچ جائے۔ اس کے اس اشتیاق کو دیکھ کر وہ کہتے ہیں کہ اس میں تم قیامت کے بعد پہونچو گے۔" اس وقت تو تم آرام وراحت کے ساتھ دُلہن کی طرح سو رہو کہ اُسے اسکے دولہا کے سوا جو اُسے سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے کوئی نہیں جگاتا" اسی طرح تمہیں بھی قیامت تک کوئی نہیں جگائے گا نہ تمہارے سکون میں خلل پڑے گا۔ بس شورِ قیامت ہی سے تم بیدار ہوگے

یہ اس مسلمان کا حال ہے جو ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے اس معیار پر پورا اُترتا ہو جو اسلام نے مسلمان کے لئے مقرر کیا ہے۔ یعنی اس کے عقائد صحیح ہوں اور ایمان مضبوط ہو۔ گناہوں خصوصاً کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو، کسی کو ایذا و تکلیف نہ پہونچاتا ہو۔ اگر شامت نفس سے کبھی کبھار گناہ ہوجاتا ہو تو توبہ اور استغفار سے اس کا تدارک کرتا ہو۔ وہ مسلمان جو اس سے اونچا درجہ رکھتے ہیں اور بہت عبادت گذار، صالح اور متقی ہیں یا دوسرے الفاظ میں اولیاء اللہ ہیں ان کے احوال اس سے بھی بلند تر اور بہتر ہوتے ہیں۔ عالم آخرت کی جتنی تفصیل قرآن مجید اور حدیث شریف میں ملتی ہے اس کی چوتھائی بھی کتب سابقہ میں نہیں ملتی۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کتاب کے ذریعہ بھی حق تعالیٰ نے اس کا علم زیادہ عطا فرمایا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی نے عالم آخرت کی سیر بار بار اور سب انبیاء علیہم السلام سے زیادہ فرماکر اس کا تفصیلی مشاہدہ بھی فرمایا ہے۔

الیوم الاخر یعنی قیامت کا دِن

یوم قیامت اُس دن کو کہتے ہیں جب یہ عالم اولًا فنا کر دیا جائیگا اور پھر دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ اس کی تفصیل تو طویل ہے۔ مختصر یہ ہے کہ بحکم الٰہی حضرت اسرافیل علیہ السلام جو مقرب فرشتہ ہیں صور پھونکیں گے اور اس کی آواز اسقدر شدید ہوگی کہ آسمان زمین ستارے وغیرہ پورا عالم ٹکڑے ٹکڑے ہوکر فنا ہوجائیگا اور سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی باقی نہ رہے گا پھر ایک مدت دراز کے بعد اللہ تعالےٰ کے حکم سے حضرت اسرافیل علیہ السلام دوبارہ صور پھونکیں گے جس کا اثر یہ ہوگا کہ کائنات دوبارہ پیدا ہوجائے گی اور سب مُردے انسان جن وغیرہ زندہ ہوکر ایک وسیع میدان میں جمع ہوں گے۔ اسی کا نام حشر ہے اور اس میدان کو میدان حشر یا محشر کہتے ہیں۔ وہاں ہر شخص کا نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ جس میں اس کی زندگی کے حالات درج ہوں گے اس کی نیکیاں بھی اور اس کے گناہ بھی۔ پھر ایک میزان (ترازو) میں اس کے اچھے بُرے اعمال کا موازانہ کیا جائے گا۔ اور جو پلہ بھاری ہوگا اسی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اس کے لیۓ جزا یا سزا کا حکم فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص سے حساب لیں گے اور زندگی کے ہر عمل کے بارے میں سوال فرمائیں گے۔ اور سب کی پیشی دربار رب العالمین میں ہوگی۔ مظلوم کا انتقام ظالم سے لیا جائے گا اور فریاد کرنے والوں کی فریاد رسی کی جائیگی جب فیصلے ہوچکیں گے تو جنتی جنت اور جہنمی جہنم کی طرف بھیجے جائیں گے۔ یہ ایک

پل کو عبور کر کے جائیں گے جسے عام طور پر پل صراط کہتے ہیں۔ یہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا۔ مگر بامداد الٰہی جنتی اس پر سہولت وسلامتی کے ساتھ گذر جائیں گے اور جہنمی کٹ کٹ کر جہنم میں گر جائیں گے کیونکہ یہ پل جہنم ہی کے اوپر بنا ہوگا۔ جہنم میں عذاب وتکلیف ہی ہے جس کی ہولناکی اور شدت کا یہاں اندازہ کرنا بھی ناممکن ہے جہنمی اس میں اذیت وتکلیف اور سخت عذاب میں مبتلا رہیں گے راحت کا نام بھی وہاں نہ ہوگا۔ کافر تو اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ مریں گے نہ نکل سکیں گے مگر جو گناہگار مسلمان بطور سزا اس میں بھیجے جائیں گے اُنھیں میعاد سزا پوری کرنے کے بعد نجات ہو جائے گی اور وہ جنت بھیجدیئے جائیں گے۔ جہاں ہمیشہ رہیں گے۔ جنت میں ہر قسم کا سامان راحت ولذّت موجود ہے۔ تکلیف و رنج کا وہاں نام ونشان بھی نہیں۔ اس کی نعمتوں اور لذتوں کی کیفیت کا یہاں اندازہ کرنا بھی ناممکن ہے۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ انسان جس قدر لُطف وراحت کا تصور کر سکتا ہے وہاں اس سے ہزارہا درجہ زائد پائے گا۔ جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے نہ اُنھیں کبھی موت آئے گی نہ کبھی وہاں سے نکلیں گے۔ مسلمان ہونے کے لئے ان سب باتوں یعنی یوم قیامت اور اس کے مابعد کے مندرجہ بالا واقعات پر ایمان لانا اور پختہ یقین رکھنا لازم ہے۔ ان کا انکار یا ان میں سے کسی میں شک کرنا کفر ہے۔

مندرجہ بالا سب باتوں پر ایمان لانے کا حکم قرآن مجید میں بکثرت دیا گیا ہے۔ ایک آیت بطور مثال درج ذیل ہے :۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ — فی نفسہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ مشرق یا مغرب

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ ۔ (البقرہ)

کی طرف منہ کر لیا جائے۔ بلکہ اصل نیکی کرنے والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ، قیامت، اللہ کی کتاب اور انبیاء پر ایمان لائے۔

تقدیر پر ایمان

آپ یقینی طور پر جانتے ہیں اور پختہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ "علیم" ہیں یعنی سب کچھ جانتے ہیں کوئی شئے بھی ان سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہو سکتی۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کا علم "ازلی" اور "ابدی" ہے یعنی وہ ہمیشہ سے ہر چیز کا علم رکھتے ہیں اور اُن کا علم ہمیشہ رہے گا۔ کبھی زائل نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ ہوا، جو ہو رہا ہے اور جو آئندہ ہوگا وہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ سے غلطی نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ بھی آپ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے خالق اور پیدا کرنے والے ہیں ان کے سوا کوئی خالق نہیں اور ان کی مشیت کے بغیر نہ کوئی چیز وجود میں آسکتی ہے نہ کوئی موجود چیز معدوم ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ان صفات حمیدہ کے اقرار کے بعد یہ بات خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کہ عالم میں جو کچھ وجود میں آتا ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر اچھا ہو یا بُرا اس کے پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہی ہیں کوئی دوسرا ان کا پیدا کرنے والا نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے اسی حقیقت کے اقرار کا نام "عقیدہ تقدیر" ہے۔ یہ بھی دین اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے جس کے بغیر آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

بلاتشبیہ ایک انجینر جب کوئی عمارت بناتا ہے تو پہلے اس کا نقشہ تیار کرتا ہے اسی طرح خالق کائنات کے علم میں کائنات کا نقشہ ہمیشہ سے ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی و ابدی ہے۔ اس نقشے کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔ مخلوق کے بنائے ہوئے نقشے غلط بھی ہوتے ہیں اور ناقص بھی مگر اللہ تعالیٰ کا نقشہ غلطی اور نقص سے پاک ہے۔ مختصر الفاظ میں تقدیر الٰہی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور اس کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ ہونا ہے وہ ہمیشہ سے مقدر ہے جو کچھ ہو چکا وہ بھی ہمیشہ سے مقدر تھا اور جو چیز مقدر نہیں وہ کبھی نہیں ہو سکتی۔

ایک شبہ اور اس کا جواب :-

عام لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب ہر چیز پہلے سے مقدر ہے اور بغیر مشیت الٰہی کچھ نہیں ہو سکتا تو ہمارے گناہ بھی پہلے سے مقدر اور مشیت الٰہی ہی سے وجود میں آتے ہیں۔ پھر ہم کیوں گناہگار شمار کئے جاتے ہیں؟ اور ہمیں آخرت میں گناہوں کی سزا کیوں ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک قسم کا اختیار عطا فرمایا ہے وہ کوئی اچھا یا بُرا کام اسی اختیار سے کرتے ہیں اسی اختیار کی وجہ سے وہ کام ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اُنھیں اس کی جزا یا اس پر سزا دیجاتی ہے تقدیر میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ بندہ اپنے اختیار سے فلاں اچھا یا بُرا عمل کرے گا یہ اختیار ہمیں بدیہی طور پر محسوس ہوتا ہے اور ہم وجدانی طور پر جانتے ہیں کہ ہوا یا پانی کے زور سے پتھر کے لڑھکنے اور ہمارے چلنے پھرنے میں بہت فرق ہے۔ اپنا چلنا پھرنا ہمیں اختیاری معلوم ہوتا ہے بخلاف اس کے پتھر کا اس طرح

لڑھکنا اس کے اختیار سے باہر معلوم ہوتا ہے اور ہم بدیہی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ اسے کوئی اختیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پتھر اس طرح لڑھک کر کسی کے لگ جائے تو پتھر کو کوئی سزا نہیں دیجاتی لیکن اگر آدمی کسی کو ناحق مارے تو اسے سزا دی جاتی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ "اختیار" جو بندوں کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے بدیہی اور وجدانی طور پر محسوس ہوتا ہے مگر اس کی حقیقت کوئی نہیں جان سکتا۔ جیسے ہم خوشی اور غم محسوس تو کرتے ہیں مگر اس کی حقیقت نہیں جانتے نہ جان سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا علم محدود ہے۔ اس لئے "تقدیر" کی حقیقت کوئی نہیں سمجھ سکتا اس کا یقین اور اس پر ایمان رکھنا لازم ہے۔ مگر اس کی حقیقت میں غور و خوض کرنا منع ہے۔ جیسے ہم خوشی و غم کے وجود کا انکار نہیں کر سکتے۔ مگر ان کی حقیقت نہیں جان سکتے۔ یہی نہیں دنیا کی بکثرت چیزیں ایسی ہیں جن کے وجود کو ہم تسلیم کرتے ہیں مگر ان کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں مثلاً توانائی (ENERGY) کے وجود کا ہر شخص کو قائل ہونا پڑتا ہے مگر اس کی حقیقت کوئی بھی نہیں جانتا۔

ایمان بالرسالۃ کی تکمیل

عقیدہ متعلق صحابہ کرامؓ:-

آپ پڑھ چکے ہیں کہ نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت رسالت

دو روشن اور قوی دلیلیں ایسی ہیں جو دائمی اور ابدی ہیں۔ یعنی قیامت تک قائم رہینگی اور ہر زمانہ کے لوگوں کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں جو شخص انصاف کے ساتھ ان پر غور کریگا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، نبوت اور رسالت کا قائل ہو جائے گا۔ یہ دو دلیلیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے ہیں۔ ایک قرآن مجید اور دوسرے صحابہ کرامؓ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور سراپا اعجاز ہے۔ اس کی مثال ونظیر کسی مخلوق سے ممکن نہیں۔ اور جب سے نازل ہوا ہے اس وقت سے ساری دُنیا کو چیلنج کر رہا ہے کہ میرے مثل کسی مخلوق کا کوئی کلام پیش کرو مگر اس چیلنج کا جواب دینے کی ہمت دنیا میں آج تک کسی کو نہ ہوئی۔ ایسے بے مثل کلام ایسی بے نظر کتاب کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونا، آنحضورؐ کا روشن معجزہ ہے۔ قرآن مجید قیامت تک باقی رہے گا اس لیۓ آنحضور کا یہ معجزہ، اور آپ کی نبوت کی یہ برہان جلی بھی قیامت تک باقی رہے گی۔

دوسری برہان جلی اور روشن دلیل صحابہ کرامؓ ہیں۔ ہر صحابی اپنی جگہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ اور آنحضورؐ کی نبوت ورسالت کی ایک واضح دلیل ہے۔ اس کی تشریح سمجھنے کے لئے بطور تمہید چند سطریں لکھنا پڑیں گی۔

کسی کالج کی خوبی اور بُرائی یا اُن کے مدارج کا فیصلہ آپ کس طرح کرتے ہیں؟ اور اس کا معیار آپ کے نزدیک کیا ہے؟ جواب کے لئے زیادہ غور وفکر کی احتیاج نہیں۔ ہر سمجھدار آدمی جانتا ہے کہ کسی تعلیمی ادارے کی اچھائی بُرائی کا معیار اس کا نتیجۂ امتحان ہے۔ جس کالج کے سو فیصد متعلم امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوں وہ بہترین کالج سمجھا جائے گا۔ اگر کامیابی کا تناسب کچھ فیصد ہو تو

ادارے کے متعلق اچھی رائے قائم کرنے کے باوجود اسے زیادہ سے زیادہ دوسرا درجہ دیا جائے گا اور اول الذکر کے مقابلے میں اسے کمتر اور پست تر سمجھا جائے گا۔ اگر کامیاب طلبہ کی تعداد اس سے بھی کم ہوئی تو اس کا تعلیمی معیار اور بھی پست سمجھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ کالج عمارت اور میدان کا نام نہیں بلکہ اساتذہ اور طلبہ کا نام ہے۔ طلبہ کی استعداد کی خوبی و پختگی، اور امتحان میں اُن کی کامیابی درحقیقت اساتذہ کی کامیابی اور اُن کی علمی قابلیت، فن تعلیم میں مہارت، شاگردوں کے ساتھ شفقت، اور اپنے کار منصبی کی ادائیگی میں شغف اور محنت کی روشن دلیل ہے۔

اس مثال سے مقصد اس روشن حقیقت سے روشناس کرنا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین معلم اعظم سرور عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے براہِ راست شاگرد تھے۔ کیونکہ صحابیؓ اسی شخص کو کہتے ہیں جسے ایمان کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو۔ خواہ شرف زیارت اسے ایک لمحہ ہی کے لئے میسر ہوا ہو۔ جن کافروں اور منافقوں[۱] نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی انھیں صحابی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ بوقت زیارت ایمان سے محروم تھے۔ اگر ان میں سے کوئی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمان بھی ہو گیا تو بھی شرف صحابیت کو نہیں پا سکتا۔ کیونکہ وہ حالت ایمان میں شرف زیارت سے محروم رہا۔

---

[۱] منافق ان کافروں کو کہتے ہیں جو اپنے کفر کو چھپائیں۔ یعنی دھوکہ دینے کے لئے بظاہر مسلمان بن جائیں لیکن دل سے کافر ہوں۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (باقی صفحہ ۹۹ پر)

ہاں، تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ صحابہ کرامؓ تن گردانِ خیرالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام ہے ان کی تعداد صحیح روایات کے مطابق ایک لاکھ سے زائد تھی آنحضورؐ کی خدمت میں پہونچنے سے پہلے ان کے حالات بہت ہی خراب اور ابتر تھے۔ بہت سے بُرے جذبات وعادات ان میں پھیلے ہوئے تھے جو پشتہا پشت سے متوارث ہونے کی وجہ سے پختہ اور راسخ ہو چکے تھے۔ جہالت اور ذہنی پستی ان میں عام تھی۔ تیئس ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اُنھیں حیوانیت و بہیمیت کی پستی سے اُٹھا کر ملائکہ کا ہمسر بنا دینا اور اخلاق، کردار، علم وعقل وفہم کی بلند ترین سطح پر پہونچا دینا مُعلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۸) مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور اہل اسلام کو غلبہ واقتدار حاصل ہو گیا تو بعض یہود نے یہی طریقہ اختیار کیا کہ بظاہر مسلمان ہو گئے اور دل سے کافر رہے۔ اسلام کے ان دوست نما دُشمنوں کو آنحضورؐ اور صحابہ کرام خوب پہچان گئے تھے۔ قرآن مجید نے بھی ان کا پردہ فاش کردیا۔ اس لئے وہ مارِ آستین بن کر بھی نقصان نہ پہونچا سکے۔ ان کی ایک علامت یہ تھی کہ یہ صحابہ کرامؓ کے سخت دُشمن تھے اور وقتاً فوقتاً جوشِ عداوت سے بے قابو ہو کر اُن کی مخالفت میں ایسے حرکات کر بیٹھتے تھے جو ان کے نفاق کو ظاہر کر دیتے تھے اس وجہ سے بھی سب نے اُنھیں پہچان لیا تھا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیز صحابہ کرامؓ کو ان کے بارے میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہا تھا۔ آنحضورؐ کی وفات سے قبل ہی یہ طبقہ ناکامی ونامرادی کی وجہ سے ختم ہو گیا تھا کچھ مر کھپ گئے اور باقی اِدھر اُدھر چلے گئے۔ جب مدینہ طیبہ سے یہود کو جلا وطن کیا گیا تو ان کی جڑ ہی کٹ گئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مدینہ اور اس کے (باقی صفحہ ۱۰۰ پر)

نبی اکرم معلم اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ بھی اس قدر روشن ہے جس سے آنکھیں بند کر لینا کسی منصف مزاج کے لئے ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منصف مزاج غیر مسلم بھی اس اعجاز کا اقرار کرتے ہیں اور اس پر حیرت زدہ ہیں۔ بلکہ بعض متعصب مسیحی اور دوسرے غیر مسلم بھی باوجود تعصب اور عداوتِ اسلام اسے حیرت انگیز معجزہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور اقرار کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاگردوں میں اتنی قلیل مدت میں جو انقلاب پیدا کر دیا اور ان کی سیرت کو جس کاخ بلند پر پہونچا دیا دُنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، قوانین فطرت اور نفسیاتی اصول اس پر حیرت زدہ اور اخلاقی قوانین فرط تحسین و تعجب سے آئینہ حیران ہیں۔

ایسی حقیقت جس کا انکار غیر ممکن ہے یہ کہ برسہا برس کی کوشش سے کسی ایک شخص کی سیرت کو یکسر بدل دینا اس قدر مشکل ہے کہ اسے محال عقلی کے بعد دوسرا درجہ دیا جا سکتا ہے چہ جائیکہ ہزاروں انسانوں کو بہیمیت سے نکال کر ملائکہ سے بھی اونچا کر دینا!

حضرات صحابہؓ کی سیرت اور ان کے کردار کی بلندی و پاکیزگی، نیز اُن کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹) اطراف میں کسی منافق کا وجود نہیں باقی رہا تھا۔ لیکن نفاق کی اس یہودی تحریک میں دور فاروقی کے بعد پھر جان پڑ گئی، سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سورش برپا کرنے والے اسی تحریک کے ممبر منافق تھے۔ آج بھی یہ جماعت ہمارے اندر موجود ہے اور ان کا نشان امتیازی یعنی صحابہ دشمنی بھی واضح ہے منہ

بے نظیر عقلی و ذہنی عروج ایسی حقیقتیں ہیں جن کا انکار صرف کوئی معاند، ہٹ دھرم اور سیہ قلب دشمن اسلام ہی کر سکتا ہے، کیونکہ یہ حقیقت ہم تک تواتر کے ساتھ پہونچی ہے۔ صحابہ کرام کو دیکھنے والے کروڑوں انسانوں سے کروڑوں انسان تسلسل کے ساتھ اس حقیقت کو نقل اور بیان کرتے چلے آتے ہیں مزید یہ کہ قرآن مجید نے جو دلائل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک دلیل یہی ہے۔ یعنی صحابہ کرام کی بلند اور مقدس سیرت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا ان پر اثر۔ چنانچہ قرآن حکیم میں صحابہ کرام کی مدح و ستائش، ان کی سیرت کی پاکیزگی اور اُن کے کردار کی بلندی کو بکثرت و تکرار بیان فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ شاگردوں کا کمال استاد کے کمال کی دلیل واضح ہے۔ جیسا کہ ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ عقیدت و محبت رکھنا اُن کی تعظیم کرنا اور اُنھیں انبیاء کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقبول ترین اور افضل ترین انسان سمجھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جو شخص کسی صحابی کو بھی بُرا یا ناقص سمجھتا ہے وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دلیل نبوت اور ایک معجزے کا انکار کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جُرم عظیم ہے اور اگر کوئی شخص صحابہ کرامؓ کی اکثریت یا اُن کی کسی بڑی جماعت کو بُرا یا ناقص کہتا ہے تو وہ اس سے بھی بدتر اور عظیم تر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ یہ بدفہمی و بدگمانی ایسی ہی ہو گی جیسے اور کوئی "مکہ" کے وجود کا انکار کر دے۔ کیونکہ جس طرح شہر "مکہ معظمہ" کا وجود تواتر سے بدیہی طور پر ثابت ہے اسی طرح سب صحابہ کرامؓ کا کمال و کردار اور

اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی مقبولیت کا بلند درجہ و مرتبہ بھی خبر متواتر نیز قرآن مجید سے ثابت ہے جو خود متواتر ہے۔ گویا صحابہ کرامؓ سے بدگمانی رکھنے والا قرآن مجید کی تکذیب کرتا ہے۔ والعیاذ باللہ یہ کتنا بڑا گناہ اور کتنی سخت گمراہی ہے! اس کی صراحت کی حاجت نہیں۔

ایمان بالرسالۃ کا تقاضا

دوسری اہم بات یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی تعظیم اور اُن کے ساتھ عقیدت و محبت رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان و یقین کا تقاضا ہے۔ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ صحابہ کرام سے بھی محبت و عقیدت رکھے اور ان میں سے ہر ایک کو اعلیٰ درجہ کا ولی کامل اور اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ سمجھے۔ جو شخص ان میں سے کسی ایک سے بھی بدگمانی رکھتا ہے اس کا ایمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یقیناً کمزور ہے۔ اس دعوے کی صداقت معلوم کرنے کے لئے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار فرائض منصبی مقرر فرمائے تھے جو مندرجہ ذیل آیت میں قرآن حکیم نے واضح فرمائے ہیں:-

ھُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی	اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جنہوں نے امی لوگوں میں
الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ	ایک رسول اُنھیں میں سے بھیجا جو اُن کے سامنے
یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِهٖ	کلامِ الٰہی کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اُنھیں
وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ	پاک کرتے ہیں اور اُنھیں کتاب الٰہی (قرآن مجید)

الکتاب والحکمۃ — اور دین کی باریک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ (یعنی امی) اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار کام تھے تلاوت آیات یعنی تبلیغ عام تعلیم کتاب مسلمانوں کو قرآن مجید اور احکام الٰہیہ کی تعلیم دینا، تعلیم حکمت یعنی دین کی باریک باتوں کا سکھانا۔ اور تزکیہ یعنی مسلمانوں کے نفوس کو برائیوں سے پاک کرنا اور ان کی روحانی تربیت کرنا۔

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یہ چاروں فرائض کامل طور پر نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیئے۔ تبلیغ عام آنحضور نے اس طرح فرمائی کہ دس بارہ سال کی قلیل مدت کے اندر پوری متمدن دنیا میں آنحضور ارواحنا فداہ کی دعوت دین پہونچ گئی۔ اور مشرق ومغرب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ندائے مقدس سے گونجنے لگے۔ صحابہ کو تعلیم کتاب وحکمت ایسی فرمائی کہ ان میں سے ہر ایک امت کا معلم بن گیا اور باتفاق اہلسنت علم دین کا وہ درجہ اور اس کی وہ کیفیت جو ادنیٰ سے ادنیٰ صحابیؓ کو حاصل تھی قیامت تک کسی دوسرے بڑے سے بڑے عالم کو نہیں حاصل ہوسکتی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شاگردوں (صحابہ کرامؓ) کے علم پر اتنا اعتماد تھا کہ آنحضورؐ نے سب کو آنے والی امت کا معلم بنا دیا۔ اور انہیں تعلیم دینے کا حکم فرمایا۔ گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان تینوں فرائض رسالت کی ادائیگی میں بہت کامیاب بلکہ سب انبیاء ومصلحین سے زیادہ کامیاب رہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آنحضورؐ نے صحابہؓ

کے تزکیہ کا فریضہ رسالت بھی ادا فرمایا یا نہیں ؟ اور اگر ادا فرمایا تو اس میں کامیاب ہوئے یا نہیں؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان کامل کے معنی یہ ہیں کہ ہم "فریضۂ تزکیہ" میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری کوشش اس کوشش کے حسن و کمال اور اس کی کامیابی کا پختہ عقیدہ رکھیں۔ جو شخص کسی صحابیؓ کے متعلق یہ گمان کرتا ہے کہ معاذاللہ وہ بُرے تھے یا ان کی تربیت ناقص تھی، تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی "شانِ تزکیہ" کو معاذاللہ ناقص اور آنحضورؐ کو اپنے اس فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کامل طور پر کامیاب نہیں سمجھتا۔ والعیاذ باللہ۔ نبوت کی ایک شان کو معاذاللہ ناقص سمجھنا یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل کامیابی میں شک کرنا ایمان بالرسالۃ" کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس شخص کا ایمان آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر قوی اور کامل نہیں بلکہ ناقص اور کمزور ہے۔

صحبت کا اثر

صحابہ کرامؓ کے بلند مرتبے اور اعلیٰ درجے کو پہچاننے کے لئے ایک تیسرا زاویۂ نظر بھی بہت مفید ہے۔ ہمیں اس بدیہی اور روزِ روشن سے زیادہ روشن حقیقت پر نظر کرنا چاہیے کہ صحبت کا اثر لازم ہے۔ اچھی صحبت کا اثر اچھا ہوتا ہے اور بُری صحبت کا بُرا۔ انسان فطرتاً غیر شعوری طور پر دوسرے انسان سے متاثر ہوتا ہے اور بلا ارادہ و شعور اس پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں دیکھیے کہ صحابہ کرامؓ وہی حضرات تھے جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت

کی۔ تو کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا اثر اُن پر نہیں ہوا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں کوئی شخص بیٹھے۔ اور اس میں کمالات باطنی وروحانی نہ پیدا ہوں؟

پھر یہ کہ شخصیت کی خصوصیت کے اعتبار سے اس اثر میں بھی فرق ہوتا ہے معمولی اشخاص کے پاس بیٹھنے سے اثر بھی کم ہوتا ہے بخلاف اس کے جو شخصیتیں عام سطح سے بلند ہوتی ہیں ان کی صحبت میں بیٹھنے سے اثر بھی غیر معمول اور شدید ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی عظمت اور آپ کی قوت تاثیر کا تصور کیجیے۔ تو یہ بات ناممکن نظر آئے گی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو مسلمان ایک لمحہ کے لئے بھی بیٹھے وہ اعلیٰ درجہ کے روحانی کمال سے محروم رہ جائے۔ البتہ کافر پر یہ اثر نہیں ہوسکتا کیونکہ کفر کی رکاوٹ کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض اس کی روح تک نہیں پہونچ سکتے۔ جیسے کوئی شخص کھڑکی بند کرلے تو آفتاب کی روشنی کمرے میں نہیں پہونچ سکتی۔ لیکن کھڑکی کھولنے کے بعد روشنی کو روکنا غیر ممکن ہے۔ اس کے ارادے کے بغیر بھی روشنی پہونچے گی اسی طرح صحابہ کرام کے قلوب ونفوس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال روحانیت عظیمہ سے غیر شعوری طور پر منور ہو کر رشک مہر و ماہ بن گئے تھے۔

ہمارا عقیدہ

صحابیت کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اور دلائل بھی پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن جو کچھ مذکور ہوئے کافی ہیں بلکہ حد کفایت سے زائد اس لئے ہمارا

یعنی اہلسنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ ہر صحابیؓ یقیناً اعلیٰ درجہ کے ولی کامل، اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے، اور بارگاہِ الٰہی میں ان سب اولیاءاللہ سے افضل و برتر ہیں جو شرف صحابیت سے مشرف نہیں ہوئے۔ جن صحابیؓ کو ایک لمحہ کیلیے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری نصیب ہوئی وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی، حضرت مجدد الف ثانی، رحمہم اللہ و قدس اسرارہم کے ایسے اکابر اولیاء اللہ سے بھی بدرجہا زائد افضل و برتر ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں ان سے بہت زیادہ بلند درجہ رکھتے ہیں بلا استثنار کسی صحابیؓ کی شان میں ادنیٰ بے ادبی و گستاخی بھی گناہ کبیرہ، گمراہی اور موجب غضب الٰہی ہے۔

صحابہ کرام کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں ان میں ہمیں فریق بننے کا حق نہیں بلکہ ہمارا فریضہ یہ ہے کہ غیر جانبدار ہو کر فریقین کے ساتھ حسن ظن اور عقیدت رکھیں، دونوں کو مخلص، متقی، اور دیندار سمجھیں اور یہ سمجھیں کہ فریقین کے درمیان رائے کا اختلاف تھا۔ مگر دونوں میں سے کسی کی للہیت اور اس کے اخلاص میں کسی کلام کی گنجائش نہیں۔ ان میں سے کسی کے ساتھ بدگمانی کرنا۔ ان کی نیتوں پر حملہ کرنا۔ یا ان کی شان میں بے ادبی و گستاخی کرنا سخت گمراہی اور اپنی عاقبت برباد کرنے کے ہم معنیٰ ہے۔

فرق مراتب

جس طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہونے میں

تو برابر اور یکساں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے
ان کے درمیان فرق ہے۔ بعض انبیاء کا مرتبہ بعض سے بڑا ہے مثلاً ہمارے نبی
اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ و مرتبہ سب انبیاء و مرسلین سے بہت
زیادہ برتر ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔ اسی طرح آنحضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام سب انبیاء کے اصحاب سے افضل ہیں، مگر خود
صحابہ کرام کے درمیان بھی مراتب کا فرق ہے۔ یعنی بعض صحابہ کا مرتبہ دوسروں
سے اونچا ہے۔ یوں ہر صحابی رضی کا اپنی جگہ بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اس فرق مراتب سے
بھی واقف ہونا چاہیے۔ جو لوگ اس سے واقف نہیں ہوتے وہ
بسا اوقات بعض غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل سمجھنے سے پہلے
یہ اصول ذہن میں رکھنا لازم ہے کہ فضیلت بمعنی مقبولیت بارگاہ الٰہی کا درجہ
و مرتبہ عقل سے نہیں مقرر کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہی بتا سکتے ہیں کہ ان کی بارگاہ
میں کس کا مرتبہ زیادہ اور کس کا کم ہے۔ نہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی رشتہ
رکھنے کی بناء پر کسی کو کسی سے اس معنی کے لحاظ سے افضل کہہ سکتے ہیں اور نہ کسی
اور عقلی دلیل کی بنا پر کسی کے افضل یا مفضول ہونے کا علم قرآن و حدیث ہی سے
ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید و حدیث نے اس بارے میں بھی ہماری رہنمائی فرمائی ہے
زیادہ تفصیل تو مستقل کتاب چاہتی ہے۔ ایک آیت نقل کی جاتی ہے جس میں
ایک اصولی بات ارشاد فرمائی گئی ہے:-

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ	تم لوگوں میں سے جنہوں نے قبل فتح مکہ اللہ
مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ	کی راہ میں انفاق اور جہاد کیا ان لوگوں

اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ۔ (الحدید)	کے برابر نہیں ہیں جنہوں نے بعد فتح مکہ انفاق اور جہاد کیا بلکہ قبل فتح مکہ انفاق وجہاد کرنے والے بعد میں انفاق وجہاد کرنے والوں سے (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) درجہ کے اعتبار سے بڑے ہیں۔ اور (یوں تو) اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھائی کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت سے اصولی طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبل فتح مکہ جن حضرات نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت اور دین حق کی نصرت کی وہ ان حضرات سے علی الاطلاق افضل وبرتر ہیں جنہوں نے بعد فتح مکہ دین کی جانی ومالی خدمت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مرتبہ تو ان حضرات کا بھی بہت بلند ہے مگر اول الذکر حضرات سے کم ہے۔ لفظ علی الاطلاق ہم نے اس لئے کہا کہ اس فضیلت پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری یا نسبی تعلق کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ حضرات جنہوں نے قبل فتح مکہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ مذکورہ بالا کارنامے انجام دیئے بعد فتح مکہ خدمت ونصرت کرنے والے سب حضرات سے افضل ہیں خواہ یہ بعد والے حضرات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت بھی ایک فضیلت کی چیز ہے مگر یہ مندرجہ بالا فضیلت کے برابر نہیں ہوسکتی نہ اس پر اس کا کوئی اثر ہوتا ہے ہم یہاں جب کسی کو کسی سے

افضل کہیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ازروئے قرآن وحدیث اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مرتبہ دوسرے سے زیادہ ہے۔

خلفاء اربعہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آنحضورؐ کے خلیفہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ ہوئے جو صدیق اکبر کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کے بعد دوسرے خلیفہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ ہوئے جو فاروق اعظم کے لقب سے مشہور ہیں۔ تیسرے خلیفہ اُمت کے شہید اعظم سیدنا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہٗ ہوئے جن کا لقب ذی النورین ہے اور "عثمان غنی" کے نام سے بھی موسوم کیے جاتے ہیں۔ ذی النورین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ وحضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح ان کے ساتھ فرمایا تھا۔ یعنی ایک کا نکاح فرمایا جب اُن کا انتقال ہوگیا تو دوسری صاحبزادی کا نکاح اُنھیں کے ساتھ کر دیا۔

خلیفۂ چہارم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ ہیں جو "علی مرتضیٰ" کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس لقب کی وجہ یہ ہوئی کہ جب خارجیوں نے آپ کو بُرا کہنا شروع کیا تو اہلسنت آپ کو اس پسندیدہ لقب سے یاد کرنے لگے ان سب حضرات خلفاء میں سب سے بڑا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے بلکہ انبیاء کے بعد سب گزشتہ وموجودہ اور آئندہ انسانوں میں سب سے افضل وبرتر حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔

خلفاء میں اُن کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ کا مرتبہ ہے اور صرف خلفاء ہی میں نہیں بلکہ وہ بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب انسانوں سے افضل و اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔

حضرات خلفا میں ان کے بعد حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کا مرتبہ ہے اور اُن کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ کا۔

عشرہ مبشرہ

یوں تو ہر صحابیؓ کا جنتی ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور درحقیقت سب ہی کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی نہ کسی عنوان سے جنتی ہونے کی خوشخبری دی ہے۔ لیکن دس صحابہ کرام کو ایک ہی مجلس میں صاف اور صریح الفاظ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوشخبری سُنائی۔ ان حضرات کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں پوری اُمت میں سب سے افضل و برتر درجہ رکھتے ہیں اور انبیاء کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقبول ترین اور افضل ترین بندے ہیں۔ ان حضرات صحابہ کے اسمار گرامی درج ذیل ہیں :-

خلفاء اربعہ یعنی حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم، حضرت طلحہ[۵] حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت سعید[۹] بن زید حضرت ابوعُبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

ازواج مطہرات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا رتبہ ہے۔ سوا حضرت مریم علیہا السلام کے کسی خاتون کا درجہ اُن کے برابر نہیں۔ اُنھیں ازواج مطہرات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تطہیر یعنی اُنھیں ہر قسم کی بُرائیوں سے بذاتِ خود پاک کرنے کی اطلاع دیدی ہے وہ آیت جس میں اس کی اطلاع دی گئی ہے آیت تطہیر کے نام سے مشہور ہے اور سورہ الاحزاب پارہ ۲۲ رکوع ۴ میں ہے۔ ازواج مطہرات کو اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کی ماں بنایا ہے۔ اس لئے ان کا ایک لقب اُمہات المؤمنین بھی ہے۔ ان کے اسمار گرامی درج ذیل ہیں۔

اُمہات المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت حفصہ حضرت زینب، حضرت سودہ حضرت ام حبیبہ حضرت صفیہ حضرت جویریۃ حضرت ام سلمی حضرت میمونہ حضرت ام المساکین علی زوجہن المصطفیٰ وعلیہن الصلوٰۃ والسلام۔ ان کے ساتھ عقیدت رکھنا اور ان کا ادب واحترام کرنا ہر مسلمان پر واجب ولازم ہے۔ حضرت ماریہ قبیطیہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ ہیں۔ ان کے ساتھ عقیدت رکھنا اور ان کی تعظیم کرنا بھی واجب ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا بھی بہت بڑا درجہ ہے۔ آنحضورؐ کی ایک اور باندی کا تذکرہ بھی بعض روایات میں آتا ہے ان کا اسم گرامی حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا ہے ان کی تعظیم بھی لازم ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں

حضرت قاسم و حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

صاحبزادے ہیں جو صغر سنی ہی میں انتقال فرما گئے انہیں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ، وہ بارگاہِ الٰہی میں ان کا بڑا مرتبہ ہے ان سے محبت رکھنا اور اُن کی تعظیم کرنا واجب ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں سیدا تنا حضرت زینب حضرت رُقیہ حضرت اُم کلثوم ۔حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہن۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ان کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت بلند ہے۔ ان سب کی تعظیم وتکریم کرنا اور سب سے عقیدت رکھنا واجب ولازم ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہما آنحضور کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے فرزند ہیں اور حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما آنحضور کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں یہ سب اولیاء اللہ ہیں اور بارگاہ الٰہی میں ان سب کا درجہ بھی بہت بلند ہے مسلمان کو سب کے ساتھ محبت وعقیدت رکھنا اور اُن کی تعظیم کرنا چاہیئے۔

وآخردعوانا ان الحمدللہ الملک العلام وافضل
الصلوات علی خاتم النبیین واصحابہ وازواجہ
وذریتہ واتباعہ مسک الختام.